آیئے غور کریں :

(i) یورپ کی تجارتی کمپنیوں نے کیوں ہندوستان کے سیاسی معاملے میں مداخلت کرنی شروع کی؟

(ii) انگریز بنگال پر کیوں قبضہ کرنا چاہتے تھے؟

(iii) کیوں اور کن حالات میں ہندوستانی حکمرانوں نے معاون معاہدہ کی شرائط کو قبول کی؟

(iv) پلاسی اور بکسر کی جنگوں میں آپ کسے فیصلہ کن مانتے ہیں اور کیوں؟

آیئے کرکے دیکھیں :

(i) میر قاسم، حیدر علی۔ ٹیپو سلطان اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی تصاویر اپنی جوابی کاپی میں چپکا کر ان کے بارے میں معلومات جمع کریں۔

باب۔3

دیہی زندگی اور سماج

(انگریزی حکومت اور ہندوستان کے گاؤں)

گذشتہ باب میں آپ نے جانا کہ کس طرح ایک تجارتی کمپنی نے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کی۔آپ نے یہ بھی جانا کہ اس کا واحد مقصد تجارتی منافع حاصل کرنا تھا۔اس نفع کے لئے ہی انگریزوں نے ابتدا میں تو ہندوستانی صوبوں کو اپنے قبضہ میں لیا اور آگے چل کر ایسے اصول وقوانین نافذ کئے جن سے حکومت اوران کے منافع میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ان تمام باتوں کو آپ آئندہ ابواب میں پڑھیں گے۔موجودہ سبق میں آپ اس بات کو جانیں گے کہ انگریزوں کی حکومت کا اثر ہندوستانی گاؤں پر کس طرح پڑا۔

برٹش حکومت سے قبل کے ہندوستانی گاؤں : ہندوستان کی زیادہ تر آبادی ہمیشہ گاؤں میں رہتی آئی ہے اور آج بھی کل آبادی کا 68 فیصد گاؤں میں ہی رہتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان کا معاشی نظام گاؤں پر ہی منحصر ہے۔گاؤں کے لوگوں کی محنت اور مزدوری سے بڑے بڑے صوبے اور حکومتیں قائم ہوئیں۔وہاں رہنے والے کسانوں کی سخت محنت سے حاصل آمدنی سے ہی یہ ملک خود کفیل اور خوش حال تھا۔زیادہ تر گاؤں میں سبھی طرح کے کام کرنے والے لوگ رہتے تھے جو گاؤں کی ضروریات کو پوری کرتے تھے۔اس وقت زمینداروں کا ایک بااثر طبقہ بھی گاؤں میں رہتا تھا جن کے پاس راجا کے ذریعہ دی گئی کافی زمینیں تھیں۔وہ لوگ ہی گاؤں سے مالگذاری (کھیتی کی پیداوار پر راجا کے ذریعہ کسانوں سے لیا جانے والا ٹیکس) کی وصولی کرتے تھے اور اس کے عوض حکومت کے دیگر کاموں کی دیکھ بھال کے لئے زمینیں ملتی تھیں۔

اس وقت گاؤں کے لوگ اپنی ضرورت کی زیادہ تر چیزوں کی پیداوار خود کرتے تھے۔یہاں کی اکثر آبادی کا کام کھیتی تھا۔کھیتی کے لئے زمین انہیں راجا سے ملتی تھی اس کے بدلے مالگذاری وصول کی جاتی تھی۔پوری زمین کا مالک راجا ہی ہوتا

تھا۔ زمیندار اور کسانوں کا اختیار زمین پر اسی وقت تک رہتا تھا جب تک راجا کو مالگذاری ملتی رہتی تھی۔ ایسا نہیں کرنے پر راجا کے ذریعہ دی گئی زمین فوراً چھین لی جاتی تھی۔

گاؤں میں عام طور سے لوگ آپس میں مل جل کر رہتے تھے۔ چھوٹے موٹے جھگڑوں کا فیصلہ بھی آپس میں ہی ہو جاتا تھا۔ گاؤں میں راجا کا یا اس کے افسران کا زیادہ دخل نہیں ہوتا تھا۔ وہ صرف طے شدہ مالگذای وصول کرتے تھے۔ حکومت اپنے کارندوں اور زمین داروں کے ذریعہ سے کسانوں کا پورا خیال رکھتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر ان کسانوں کے ذریعہ کھیتی کا کام بند کردیا جائے گا تو اس کی آمدنی کم ہو جائے گی۔ یہیں سے ان کے لئے اخراجات کے واسطے پیسہ، تاجروں کے لئے اشیاء اور فوج پولس اور دیگر کارندوں کے کھانے وغیرہ کا انتظام ہوتا تھا۔ اس طرح گاؤں ہی حکومت کی آمدنی کا اہم ذریعہ تھا۔ اس لئے برٹش حکومت نے بھی سب سے پہلے گاؤں پر ہی توجہ دی اور اس پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے بارے میں غور کیا۔

انگریزوں کو مالگذاری وصولی کا اختیار ملا : گذشتہ باب میں آپ نے یہ جانا کہ کس طرح انگریزوں کو ایک بڑے اور خوشحال علاقہ (بنگال، بہار، اڑیسہ) سے مالگذاری وصولی کا اختیار مل گیا۔ اس سے ہندوستان سے تجارت کے لئے سامان خریدنے کے لئے اپنے ملک سے دولت لانے کا مسئلہ حل ہو گیا۔ لیکن اب ہندوستان میں کئی اور طرح کے اخراجات ان کے سامنے آ گئے۔ ان میں سب سے اہم اپنے اختیار میں آئے علاقوں کی حکومت کا خرچ تھا۔ دوسرے انہیں اپنی حکومت میں اضافہ کے لئے مسلسل جنگ کرنی پڑتی تھی۔ اس کا خرچ تھا۔ ان تمام اخراجات کو پورا کرنے کے لئے ان کے پاس آمدنی کا ایک ہی ذریعہ تھا۔ وہ تھا بنگال کی مالگذاری وصولی میں ہونے والا منافع۔ مالگذاری وصولی کے لئے شروع میں تو انہوں نے پہلے سے چلے آرہے انتظام کو ہی برقرار رکھا۔ اس کے لئے ابتدا میں وہ پہلے سے موجود زمینداروں سے ہی کام لیتے رہے۔ لیکن ایسا زیادہ دنوں تک نہیں ہو سکا۔

زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی خواہش مند برٹش حکومت موجودہ نظام سے حاصل ہونے والی آمدنی سے مطمئن نہیں تھی۔ اس کے لئے آگے چل کر انہوں نے مالگذاری وصولی کے اختیار کی نیلامی شروع کی۔ جو انسان کسی خاص

تصویر۔ 1 : انگریزوں کے وقت کا گاؤں

علاقے سے زیادہ مالگذاری وصول کرنے کی بولی لگاتا، اسے مالگذاری وصولی کا اختیار دے دیا جاتا۔ اسے آپ ٹھیکیداری نظام کہہ سکتے ہیں۔ لیکن یہ نظام زیادہ دنوں تک نہیں چل پایا۔ اسی انتظام میں ٹھیکیداروں کو فائدہ ہو رہا تھا۔ وہ مقررہ رقم سے جتنا زیادہ وصول کرتے وہ ان کا ہوجاتا تھا۔ کسانوں کے لئے بھی یہ طریقہ بہت نقصان دہ تھا کیونکہ انہیں پتہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ کس سال انہیں کتنی مالگذاری دینی ہے۔ دوسرے یہ کہ ٹھیکیداروں کی توجہ صرف پیسہ وصولی پر ہوتی تھی کھیتی کی پیداوار یا کسانوں کی آمدنی کیسے بڑھے اس کی فکر انہیں نہیں ہوتی تھی۔ کمپنی سرکار کے لئے بھی یہ ایک مسئلہ تھا۔ انہیں تجارت کے لئے مقررہ وقت پر ایک مقررہ رقم کی ضرورت ہوتی تھی۔ مگر اس انتظام سے انہیں یہ پتہ نہیں چل پاتا تھا کہ آئندہ سال انہیں کتنی آمدنی ہونے والی ہے۔ انہوں نے کچھ برسوں تک اس نظام کو چلائے رکھا لیکن وہ ایک ایسا نظام چاہتے تھے جس سے انہیں زیادہ سے زیادہ اور پابندی سے مالگذاری کی شکل میں دولت حاصل ہوتی رہے۔

تصور کیجئے مالگذاری وصولی کا اختیار ملنے سے گاؤں میں کیا تبدیلیاں آئی ہوں گی۔ آپ کی نظر میں اب زمین کا مالک کون ہوگیا؟

مالگذاری نظام کی ابتداء : کئی طرح کی کوششوں کے بعد آخر میں 1789ء کے پاس کمپنی سرکار نے زمینداروں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا۔ جس کے تحت ان کے ذریعہ کمپنی کو دی جانے والی مالگذاری دس سالوں کے لئے طے کر دی گئی۔ یہ

رقم زمینداروں کے ذریعہ کسانوں سے وصولی گئی۔ مالگذاری کا9/10 حصہ طے کردیا گیا۔ آگے چل کر1793ء میں یہ رقم ہمیشہ کے لئے مقرر کردی گئی اور اس رقم میں مستقبل میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا تھا۔ لہذا اسے مستقل بندوبست کا نام دیا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق اگر کسانوں کی پیداوار کو100 مانا جائے تو اس انتظام کے تحت انگریزی حکومت کو اس میں سے تقریباً45 فیصد حصہ حاصل ہوتا تھا۔ زمیندار اور اس کے کارندے اپنے لئے تقریباً15 فیصد حصہ وصولتے تھے اور باقی 40 فیصد کسانوں کے پاس بچتا تھا۔ انگریزی حکومت نے زمینداروں سے یہ معاہدہ کیا کہ مستقبل میں اس رقم میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ لیکن زمینداروں کو مالگذاری کی طے شدہ رقم مقررہ تاریخ کو سورج غروب ہونے سے پہلے سرکاری دفتر میں جمع کروانا لازمی تھا۔ ایسا نہیں کرنے پر ان کی زمینداری نیلام کردی جاتی تھی۔ سرکار کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ قحط یا سیلاب کی وجہ سے فصل برباد ہوگئی ہے یا پیداوار کم ہوتی ہے۔ زمینداروں کو ہر حال میں طے شدہ رقم مقررہ تاریخ میں جمع ہوتی تھی۔

یہ انتظام بنگال (موجودہ بنگال، بہار اور اڑیسہ) اور آندھر پردیش کے کچھ علاقوں میں رائج کیا گیا۔1790 کے آس پاس تک یہی علاقے کمپنی کے ماتحت تھے۔ اس نظام کے نافذ ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے دیہی معاشرے میں ایک نئی بات سامنے آگئی۔ زمیندار جو اب تک اپنے علاقے میں صرف مالگذاری وصول کرنے کے افسر ہوتے تھے اب زمین کے مالک بنادیئے گئے۔ یہ کمپنی سرکار کے افسروں کی بہت سوچی سمجھی پالیسی تھی۔ اس کے بعد اگر کوئی زمیندار مقررہ تاریخ تک پوری رقم کا انتظام نہیں کرپاتا تھا تو اس کے پاس یہ متبادل ہوتا تھا کہ وہ اپنی زمینداری کا کچھ حصہ گروی رکھ کر قرض لے لے اور اپنی ادائیگی کردے۔ یا پھر وہ اپنے علاقے کی کچھ زمین بیچ کر بھی پیسے کا انتظام کرسکتا تھا۔

ایسا کرنے کے پیچھے ایک دوسری سوچ بھی تھی۔ انگریز ایسا سوچتے تھے کہ زمین کے مالک بن جانے سے زمیندار کھیتی میں اصلاح اور پیداوار بڑھانے کی کوشش کریں گے۔ ان کے اپنے ملک اور یورپ کے دیگر ممالک میں کچھ اسی طرح کا نظام تھا۔ ایک بات اور تھی کہ وہ ہندوستان میں اپنی حکومت کو مضبوط بنانے کے لئے ہندوستانی لوگوں میں سے ہی اپنے لئے ایک حمایتی جماعت تیار کرنا چاہتے تھے۔ ایک جماعت جو انگریزوں کی موجودگی میں اپنا وجود دیکھتی تھی۔ اس کے لئے زمینداروں

سے بہتر جماعت ان کے لئے کوئی نہیں ہوسکتی تھی۔ اپنے علاقے کے گاؤں میں ان زمینداروں کے کافی اثرات تھے۔ اوران کے ذریعہ انگریزوں کے لئے ہندوستانی گاؤں کو قابو میں رکھنا بہت آسان تھا۔ آگے چل کر انگریزی حکومت کی یہ پالیسی کافی کامیاب ثابت ہوئی۔ بیسویں صدی میں جب ان کے خلاف تحریک شروع ہوئی تو اس طبقہ کے زیادہ تر لوگوں نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔

مگر اس نظام کی سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ سرکار نے زمینداروں کو دی گئی زمین کے بدلے کتنی مالگذاری لی جانی تھی یہ تو طے کر دیا لیکن کسانوں سے زمین دار کتنا وصولیں گے، یہ طے نہیں کیا گیا تھا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ کئی زمیندار کسانوں سے ضرورت سے زیادہ پیسہ وصول کرنے لگے جس سے کسانوں پر ٹیکس کا بوجھ کافی بڑھ گیا۔ دوسرے یہ کہ وقت پر مالگذاری نہیں دینے کی وجہ سے کئی پرانے زمیندار جو اپنے کسانوں سے طاقت کے زور پر مالگذاری وصول نہیں کرتے تھے ان کی زمینداری چلی گئی اوران کی جگہ ایسے لوگوں نے لے لی جنہیں گاؤں اور کسانوں کے مفاد سے کوئی مطلب نہیں تھا کئی زمیندار قرض کے بوجھ سے دب گئے اور دھیرے دھیرے ان کی زمینداری مہاجنوں اور تاجروں کے پاس چلی گئی۔

اس انتظام کے نافذ ہونے سے کمپنی سرکار کا مسئلہ تھوڑے دنوں کے لئے حل ہوگیا۔ لیکن 20-1815ء تک ان کے ماتحت کئی اور علاقے آگئے اور وہاں کے لئے مالگذاری کا انتظام طے کرنا تھا۔ مستقل انتظام کے رائج ہونے کے وقت سے کمپنی کے افسران میں اختلاف رائے تھا۔ ایک خیال تو اس کی حمایت میں تھا۔ جبکہ دوسری رائے والے لوگوں کو یہ لگتا تھا کہ اس سے کمپنی سرکار کو نقصان ہو رہا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ سرکار کو کچھ برسوں بعد مالگذاری کی رقم میں اضافے کا اختیار اپنے پاس رکھنا چاہئے تھا۔ ان کا ماننا تھا کہ سرکار کا خرچ مسلسل بڑھتا جائے گا اور اسے پورا کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ دوسری طرف افسران کو یہ بھی سمجھ میں آنے لگا تھا کہ اس نظام میں سب سے زیادہ فائدہ زمینداروں کو ہو رہا تھا۔ انہیں بغیر کچھ کئے ہی اچھی دولت مل رہی تھی تو ان کے خیال میں کیوں نہ کسانوں سے ہی براہ راست رابطہ قائم کیا جائے۔ اس نقطہ نظر کے پس پردہ ایک انگریز ماہر اقتصادیات کے ریکارڈو کی سوچ کا بڑا ہاتھ تھا۔ اب جب کچھ نئے علاقوں میں مالگذاری نظام طے کرنے کا وقت آیا

تو دوسرے خیال والے لوگوں کی جیت ہوئی۔

ریکارڈوں کے مطابق (ان کی کتاب کا نام Principles of Political Economy ہے جو 1821ء میں شائع ہوئی تھی) زمیندار خود پیداوار کے لئے کچھ نہیں کرتا ہے۔ مزدور اپنی محنت لگاتا ہے، سرمایہ دار اپنا سرمایہ لگاتا ہے۔ مزدوروں کا لیڈر صنعت کی تنظیم میں متحرک ہوتا ہے۔ زمیندار زمین کے لئے جو کرایہ پاتے ہیں، وہ محدود مقدار میں دستیاب زمین پر ان کے مکمل اختیار کی وجہ سے انہیں ملتا ہے۔ ان کے خیال میں پیداوار میں زمین کے مالکوں کا کوئی رول نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے حکومت کو ان کی آمدنی پر ٹیکس لگانا چاہئے۔ مناسب تو یہ ہوتا کہ زمین پر ان کے مالکانہ اختیار کو ختم کر کے انتظامیہ ساری زمین اپنے ہاتھ میں لے لے اور اسے کھیت میں محنت کرنے والوں کو فراہم کرائے۔

سرگرمی : رکارڈوں کی رائے کے مطابق بڑے اور خوشحال کسانوں کی آمدنی پر آج ٹیکس لگانا کیا مناسب ہوگا؟ ذرا سوچیں۔

یہ نیا نظام جنوبی اور مغربی ہند میں 'رعیت واری نظام' کے نام سے شروع کیا گیا۔ اس میں کسانوں کے ساتھ براہ راست معاہدہ کیا گیا۔ ان علاقوں میں روایتی طور سے زمیندار نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے کمپنی سرکار نے کسی نئے شخص کو زمیندار بنا کر سیدھا کسانوں سے ہی رابطہ قائم کیا۔ اس نظام میں مالگذاری پیداوار کی بنیاد پر طے ہوئی۔ پہلے زمین کی خوبی دیکھی گئی پھر گذشتہ کچھ سالوں کی پیداوار کا اوسط نکالا گیا۔ اس میں کسانوں کی کھیتی پر ہونے والے اخراجات کو کاٹ کر جو بچتا تھا اس کا 50 فیصد مالگذاری کی شکل میں طے کر دیا گیا، مگر اسے مستقل نہیں بنایا گیا۔ ہر تیس سال کے بعد مالگذاری کی رقم میں تبدیلی کی جانی طے ہوئی۔ اس نظام میں کسانوں کو زمین کا مالک تسلیم کیا گیا تھا۔

محال واری نظام : پنجاب، دلی اور مغربی اتر پردیش کے علاقوں پر جب برٹش حکومت کا قبضہ ہوا تو وہاں انہوں نے سیدھا کسانوں کی جگہ گاؤں کے کافی بڑے زمین مالکوں یا خاندانوں جنہیں بحال کہا جاتا تھا کو، اکائی مانا اور ان کے ساتھ

محل۔ پنجاب، ہریانہ، مغربی اتر پردیش کے علاقے میں بڑے گاؤں یا کچھ گاؤں کے مجموعہ کو محل کہتے ہیں۔

مالگذاری وصولی کا معاہدہ کیا۔ اس نظام کو محال واری نظام کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس میں بڑے خاندان یا گاؤں کے سردار گاؤں بھر سے مالگذاری جمع کر کے سرکار تک پہنچاتے تھے۔ مالگذاری کی مقدار طے کرنے کا طریقہ یہاں بھی رعیت واری نظام کا تھا۔ پیداوار سے کھیتی کے خرچ کو گھٹا کر جو بچتا تھا اس کا تقریباً 50 فیصد مالگذاری طے کر دی گئی اور اسے بھی صرف 30 برسوں کے لئے ہی نافذ کیا گیا تھا۔

سرگرمیاں: محال واری نظام میں پورے گاؤں میں ایک خاندان کے ذریعہ مالگذاری وصولنے میں کس طرح کی دشواری ہوتی ہوگی؟ غور کر کے اظہار خیال کیجئے۔

ان تینوں قسم کے زمینی نظام کو اگر انگریزوں کے حکومت والے ہندوستانی علاقہ میں توسیع کے تحت دیکھیں تو یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کل کھیتی کے لائق زمین میں 19 فیصد مستقل بندوبست کے تحت تھا۔ 29 فیصد محل واری نظام کے تحت اور 52 فیصد رعیت واری نظام میں آتا تھا۔ اسے آپ نقشہ میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔

نئی مالگذاری نظام کا دیہی زندگی پر اثر : سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس نظام سے تقریباً نصف پرانے زمینداروں کی زمینداری ان کے ہاتھ سے نکل گئی۔ کیونکہ انہوں نے مقررہ وقت پر مالگذاری جمع نہیں کی تھی۔ دراصل ان کے لئے کسانوں سے مالگذاری کے لئے زیادہ زور زبردستی کرنا ممکن نہیں تھا۔ کسانوں کے ساتھ ان کے پرانے تعلقات تھے۔ دونوں کے درمیان جذباتی سطح پر ایک تعلق تھا۔ اس سے فصل خراب ہونے یا قحط کی حالت میں مالگذاری کے لئے دباؤ ڈالنا ناممکن ہوتا تھا۔ آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ نئے نظام میں زمین کا مالک کسان یا زمیندار کو بنا دیا گیا تھا۔ اس سے مالگذاری وقت پر جمع کرنے کے لئے اسے بیچنے یا گروی رکھنے کا رواج شروع ہوا۔ اس کے نتیجہ میں گاؤں میں مہاجن کی شکل میں ایک منظم جماعت سامنے آ گئی۔ ان لوگوں کو زمین کے عوض روپیہ دیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ جماعت گاؤں سب سے اہم ہوگئی کیونکہ گاؤں کے کئی کسان اور زمینداران سے قرض لیتے تھے۔ مالگذاری کی قیمت تینوں ہی نظام میں کافی اونچی تھی۔ اس لئے کسان کھیتی میں اصلاح کی کوشش میں بھی ناکام ہوگئے۔ رعیت واری اور محل واری میں تو کسان کھیتی میں کوئی اصلاح کرنا بھی نہیں چاہتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو آئندہ ان کی مالگذاری کی قیمت بڑھا دی جائے گی۔ برٹش حکومت کو صرف مالگذاری سے مطلب ہوتا تھا۔ انہیں کھیتی میں اصلاح کی کوئی فکر نہیں تھی۔ اس طرح تینوں ہی نظام نے گاؤں کے کسانوں اور زمیندار دونوں کو ایک طرح سے برباد کر دیا۔ مضبوط ہوئے تو مہاجن یا نئے زمین کے مالک جنہوں نے پرانے زمینداروں کی جگہ لے لی تھی۔

1875ء کی دکن بغاوت!

مہاراشٹر کے پونا اور احمد نگر ضلع میں 1875ء میں کسانوں کے غصے نے بڑے پیمانے پر بغاوت بھڑکائی۔ ان علاقوں میں رعیت داری نظام نافذ تھا۔ یہاں کسان مالگذاری کی اونچی قیمت کی وجہ سے پریشان تھے۔ وقت پر مالگذاری ادا کرنے کے لئے وہ مہاجنوں سے اونچی شرح سود پر پیسہ لیتے تھے اور اس طرح وہ ان کے چنگل میں زندگی بھر کے لئے پھنس جاتے تھے۔ اس بغاوت میں کسانوں نے

مہاجنوں کو اپنا نشانہ بنایا۔ ان کے خلاف عدم تشدد کے طریقے سے اپنی مخالفت شروع کردی۔ مہاجنوں کا سماجی بائیکاٹ ہوا۔ ان کے گھروں پر حملہ کر کے ان کی لال بہی کھاتہ کو لوٹا گیا اور اسے اجتماعی طور سے جلایا گیا۔ دراصل اس بہی میں ہی کسانوں کو دیئے گئے روپیوں اور اس کے سود کا پورا حساب کتاب ہوتا تھا۔ اس لئے کسانوں نے اسے جلایا۔ یہ ایک طرح سے مہاجنوں سے ان کے آزاد ہونے کی نشاندہی کر رہا تھا۔ رفتہ رفتہ مہاجنوں نے ان علاقوں کو چھوڑ کر چلے جانا ہی بہتر سمجھا۔ اس طرح یہ بغاوت مہاجنوں کے استحصال کے خلاف کیا جانے والا عدم تشدد جدوجہد کی شکل میں جانا گیا۔

بازار کے لئے نئی فصلوں کی پیداوار : نئی مالگذاری نظام کے ساتھ ساتھ انگریزی سرکار کے افسران نے اپنی ضرورت کے حساب سے الگ طرح کی فصلوں کی پیداوار کے لئے بھی کسانوں کو متحرک کیا۔ یہ عام کھانے والی فصلوں سے الگ تھی۔ جن سے کارخانوں میں دوسرا سامان تیار کیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر بنگال میں کسانوں کو پٹسن (جوٹ)، آسام میں چائے، بہار میں نیل، شورا اور افیم۔ وسطی یا مغربی ہندوستان میں کپاس وغیرہ فصلیں اپجانے کو کہا گیا۔ ان فصلوں کا کسانوں یا گاؤں کے لوگوں کے لئے کوئی خاص استعمال نہیں تھا۔ مگر بازار میں ان کی قیمت زیادہ ہوتی تھی اور کسان اسے بیچ کر نقد پیسے حاصل کر سکتے تھے۔ اس لئے انہیں نقدی فصل بھی کہا جاتا ہے۔ کمپنی کو ان فصلوں کی ضرورت اپنے ملک کے کارخانوں میں کچے مال کی شکل میں تھی اور کچھ دیگر فصلوں کو وہ دنیا کے دیگر ممالک میں بیچ کر اچھا منافع کماتے تھے۔

تمام طرح کی نقدی فصلوں میں انگریزوں کا زیادہ زور نیل کی پیداوار پر تھا بہت پہلے سے ہی پورے یورپ میں کپڑوں کو رنگنے کے لئے ہندوستانی نیل کی مانگ تھی۔ اس کے تجارت میں لگے انگریز تاجروں کو اس سے کافی منافع ہوتا تھا۔ اس لئے وہ کسانوں کو پیشگی روپیہ دے کر مدد بھی کرتے تھے۔ آگے چل کر جب وہ حکمراں بن گئے تو اس کی پیداوار بڑھانے کے لئے کسانوں کو ڈرانا، دھمکانا یا لالچ بھی دینا شروع کر دیا۔ کئی کئی انگریز افسران اور تاجروں نے تو خود ہی زمینداروں سے زمین

پٹے پر لے کر اس میں مزدوروں سے نیل کی کھیتی کروانا شروع کر دیا۔

نقدی فصل کھیتی کے اس پیداوار کو کہتے ہیں جسے کھیتوں سے سیدھے تاجروں کے ذریعہ خرید لیا جاتا تھا جیسے گنا، نیل، تمبا کو وغیرہ۔

نیل کی کھیتی کے مسائل : نیل کی کھیتی کسانوں کے لئے فائدہ مند نہیں تھی۔ مگر انہیں اپنی زمین کے ایک بہتر حصے پر اس کی کھیتی کرنی پڑتی تھی۔ اس کے لئے سرکاری افسران کے ذریعہ مجبور کیا جاتا تھا۔ کسان ہمیشہ سے ہی اناج والی فصلوں کو ترجیح دیتے تھے۔ اس میں انہیں نہ صرف یہ کہ اس سال کے لئے غلہ مل جاتا تھا۔ بلکہ برے دنوں کے لئے وہ کچھ بچا کر بھی رکھ لیتے تھے۔ نیل کی کھیتی دھان کے موسم میں ہی کی جاتی تھی اور انگریز بگان مالک کسانوں سے زبردستی ہل بیل لے کر پہلے اپنے نیل کی بوائی کراتے تھے۔ اس سے دھان کی فصل میں دیر ہو جاتی تھی اس کے علاوہ جس کھیت میں نیل کی کھیتی ہوتی تھی اس میں فصل کٹ جانے کے بعد اس سال کوئی فصل نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ ان سب کا اثر یہ ہوتا تھا کہ کسانوں کے پاس پہلے غلہ کی کمی ہو جاتی تھی۔ جب کبھی خشک سالی یا باڑھ کی وجہ سے فصلوں کی پیداوار کم ہو جاتی تھی تو کسانوں کے پاس پہلے کا رکھا غلہ نہیں ہوتا تھا ایسے میں وہ یا تو مہاجنوں سے قرض لیتے تھے یا فاقہ کشی کرتے تھے۔

نیل درپن : نیل کی کھیتی کی وجہ سے کسانوں کو جو دشواری ہو رہی تھی اسے اس زمانے کے ایک بنگالی ڈرامہ نیل درپن میں بڑے اچھے طریقے سے دکھایا گیا ہے۔ اس کتاب کے مصنف دین بندھو متر تھے۔ 1860ء میں یہ کتاب بغیر کسی مصنف کے نام کے چھپی تھی تا کہ انگریزوں کے غصے کو انہیں جھیلنا نہیں پڑے۔ اس میں اس کی خراب پالیسی کا ذکر کیا گیا تھا۔ مائیکل مدھوسودن دت نے اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔ اس ڈرامہ میں نیل کسانوں کی بدحالی حقیقی شکل میں سامنے آئی ہے۔

ایک نیل کسان گولک چودھری (ڈرامے کا کردار) اپنے ساتھی کسان سے کہتا ہے کہ — ''میں اب نیل

کی کھیتی نہیں کروں گا چاہے اس کے لئے مجھے جیل ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ بھیک مانگ کر کھالوں گا۔ اگر سرکار نے زیادہ تنگ کیا تو گاؤں کو چھوڑ دوں گا۔ لیکن اب نیل کی کھیتی نہیں کروں گا۔"

نیل کسانوں کی بغاوت : بنگال میں نیل کی کھیتی بڑے پیمانے پر کروائی جارہی تھی۔ اس سے وہاں کے کسان بہت غمگین تھے۔ بار بار قحط اور فاقہ کشی سے پریشان کسانوں نے بغاوت کردی۔ وہ نیل کی کھیتی سے انکار کرنے لگے۔ ساتھ ہی انہوں نے بگان مالکوں کو مالگذاری دینا بھی بند کر دیا۔ عورتوں نے مردوں کے ساتھ مل کر نیل کی فیکٹریوں پر حملہ کر دیا۔ جہاں نیل بنایا جاتا تھا۔ (اسے آپ تصویر میں دیکھ سکتے ہیں)۔ اس ٹکراؤ میں ہندوستانی زمینداروں نے بھی کسانوں کا ساتھ دیا۔ وہ اپنے علاقوں میں انگریز بگان مالکوں کو برداشت نہیں کر پارہے تھے۔ جیسے جیسے بغاوت پھیلنے لگی۔ بنگال کے تعلیم یافتہ لوگوں کے ذریعہ اخبارات اور دیگر رسائل میں مضامین لکھ کر اس بغاوت کی بھرپور حمایت کی گئی۔ ان مضامین سے برٹش حکومت نیل کی کھیتی کے مسائل سے واقف ہوئی۔ نیل درپن کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ اخباروں میں انگریزی بگان مالکوں کے زور زبردستی اور کسانوں پر کئے گئے مظالم کے بارے میں خوب لکھا گیا۔ اس بغاوت کی ایک خاص بات یہ رہی کہ سرکار نے اسے دبانے کی کوشش نہیں کی۔ رفتہ رفتہ بنگال کے کچھ علاقوں سے اس کی کھیتی مکمل طور پر ختم ہوگئی۔

بہار اور نیل کی کھیتی : بہار میں نیل کی کھیتی خاص طور سے شمالی بہار کے چمپارن اور مظفرپور کے علاقوں میں کی جاتی تھی۔ یہاں انگریز بگان مالکوں نے کچھ بڑے زمیندار سے زمین پٹے پر حاصل کئے اور نیل کی کھیتی شروع کرائی۔ زمینداروں نے بھی اپنے قرض کے بوجھ کو کم کرنے کے لئے خوشی سے اپنی زمین انگریزوں کو دے دی۔ ان دو علاقوں کے علاوہ بھاگلپور، اور شاہ آباد علاقے میں بھی نیل کی کھیتی بڑے پیمانے پر شروع ہوئی۔

نیل کے علاوہ انگریزوں نے اس علاقہ میں افیم، پٹسن (جوٹ)، اور شورا نام کی فصلوں کی پیداوار بھی بڑے پیمانے پر شروع کروائی۔ موجودہ گیا ضلع افیم کی پیداوار میں پورے بنگال صوبہ میں پہلے مقام پر تھا۔

नील का उत्पादन कैसे होता था?

चित्र 11 – नील के पौधों को हौज तक औरतें ही ढोकर लाती थीं।

चित्र 10 – नील के खेतों के पास स्थित नील का एक कारखाना, विलियम सिम्पसन का चित्र, 1863

नील गाँव आमतौर पर बागान मालिकों की फैक्ट्रियों के आस-पास ही होते थे। कटाई के बाद नील के पौधों को कारखाने में स्थित वैट्स (हौज) में पहुँचा दिया जाता था। रंग बनाने के लिए 3 या 4 कुंडों की जरूरत पड़ती थी। प्रत्येक हौज का अलग काम था। नील के पौधे से पत्तियों को तोड़कर पहले एक कुंड में गर्म पानी में कई घंटों तक डुबोया जाता था (इस हौज को किण्वन या फ़र्मेंटिंग कुंड कहा जाता था)। जब पौधे किण्वित हो जाते थे तो द्रव में बुलबुले उठने लगते थे। अब सड़ी हुई पत्तियों को निकाल दिया जाता था और द्रव को एक और हौज में डाल दिया जाता था। दूसरा हौज पहले हौज के ठीक नीचे होता था।

दूसरे हौज (बीटर वाट) में इस घोल को लगातार हिलाया जाता था और पैडलों से घुमाया जाता था। जब यह द्रव हरा और उसके बाद नीला हो जाता था तो हौज में चूने का पानी डाला जाता था। धीरे-धीरे नील की पपड़ियाँ नीचे जम जाती थीं और ऊपर साफ द्रव निकल आता था। द्रव को छानकर अलग कर लिया जाता था और नीचे जमी नील की गाद – नील की लुगदी – को दूसरे कुंड (निथारन कुंड) में डाल दिया जाता था। इसके बाद उसे निचोड़कर बिक्री के लिए सुखा दिया जाता था।

चित्र 12 – हौज में घोल हिलाते मज़दूर

यहाँ खड़ा नील मज़दूर हौज में पड़े घोल को हिलाने के लिए इस्तेमाल होने वाला पैडल लिए खड़ा है। इन मज़दूरों को 8 घंटे से भी ज़्यादा समय तक कमर तक भरे नील के घोल में खड़े रहना पड़ता था।

वाट – एक किण्वक अथवा भण्डार पात्र

चित्र 13 – बिक्री के लिए नील तैयार है।

यहाँ आप उत्पादन की आखिरी अवस्था को देख सकते हैं। दबाकर साँचों में ढाल दी गई नील की लुगदी को काटकर मज़दूर उस पर मुहर लगा रहे हैं। पीछे वाले हिस्से में एक मज़दूर इन टुकड़ों को सुखाने के लिए ले जा रहा है।

تصویر- 2

بہار میں نیل کی کھیتی دو طریقوں سے کی جاتی تھی۔ زیرات اور آسامی بار۔ زیرات میں انگریز لگان مالک براہ راست اپنی نگرانی میں مزدوروں سے کھیتی کرواتے تھے۔ آسامی بار میں لگان مالک رعیتوں کو ان کی خود کی زمین پر نیل کی کھیتی کرنے کے لئے مجبور کرتے تھے۔ انگریز انہیں بس کھیتی کا خرچ دیا کرتے تھے۔ کھیتی کے کام میں لگنے والی محنت کے نام پر انہیں بہت کم مزدوری دی جاتی تھی۔ 'تین کٹھیا نظام' اسی کے تحت چمپارن میں رائج کیا گیا۔ اس کے تحت کسانوں کو اپنی زمین میں ہر ایک بگہہ پر تین کٹھے کے در سے نیل کی کھیتی کرنی پڑتی تھی۔ اسی کی مخالفت میں مہاتما گاندھی نے چمپارن میں ستیہ گرہ کی شروعات کی۔ اس کے بارے میں آئندہ اسباق میں پڑھیں گے۔ ان دونوں قسم کی کھیتی میں کسان ہی استحصال کا شکار ہوتا تھا۔

نئے محصولی نظام انگریزوں کے ذریعہ ہندوستان میں اپنے سامراج کی توسیع کی سمت اٹھائے گئے اہم ترین اقدام میں سے ایک تھا۔ اس نے ہندوستان میں انگریزی حکومت کو استحکام عطا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان انتظامات نے ہندوستان کے روایتی زمین مالکوں اور عام کسانوں، دونوں میں کئی طرح کے انتشار کو جنم دیا۔ جس کا اظہار وقتاً فوقتاً ان لوگوں کے ذریعہ کیا گیا جو بغاوت کی شکل میں دیکھنے کو ملتی ہے۔

مشق

آیئے پھر سے یاد کریں :

1. **صحیح متبادل کو چنئے**

(i) بہار میں انگریزوں کے زمانے میں کس طرح کا زمینی نظام اپنایا گیا؟

(الف) مستقل بندوبست　　(ب) رعیت داری نظام

(ج) محال واڑی نظام　　(د) ان میں سے کوئی نہیں

(ii) انگریزوں کے آنے سے قبل زمین کا مالک کون ہوتا تھا؟

(الف) زمیندار　　(ب) تاجر

(ج) کسان　　(د) راجا

(iii) رعیت واڑی نظام زمین کا مالک کسے مانا گیا؟

(الف) کسان　　(ب) زمیندار

(ج) گاؤں (د) تاجر

(iv) برٹش حکومت کے ذریعہ ہندوستان میں اپنایا گیا نئے زمینی نظام کا خاص مقصد کیا تھا؟

(الف) اپنی آمدنی بڑھانا (ب) ہندوستانی گاؤں پر اپنی حکومت کو مضبوط کرنا

(ج) تجارتی نفع حاصل کرنا (د) کسانوں کی حمایت حاصل کرنا

2. درج ذیل کے جوڑے لگائیں:

(الف) محال واڑی	(الف) 1793
(ب) نیل درپن	(ب) بہار
(ج) نقدی فصل	(ج) دین بندھومتر
(د) مستقل زمینی نظام	(د) پنجاب

آیئے غور کریں :

(الف) انگریزی حکومت سے قبل ہندوستانی زمینی نظام اور مالگذاری نظام کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

(ب) مستقل بندوبست کی خصوصیات بیان کریں۔

(ج) برٹش حکومت کے ذریعہ بار بار زمینی محصول نظام میں کی جانے والی تبدیلیوں کو آپ کس شکل میں دیکھتے ہیں؟ اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

(د) انگریزوں کے زمینی محصول نظام آج کے نظام سے کیسے مختلف تھی؟ مختصر میں بتائیں۔

(ہ) نئی محصول پالیسی کا ہندوستانی معاشرے پر کیا اثر ہوا؟

(و) نیل کی کھیتی کے اہم مسائل کو بیان کریں۔

آیئے کریں، دیکھیں:

(i) انگریزی حکومت کے زمانے میں اپجائی گئی فصلوں میں کون کون سی فصل آج بھی اپجائی جاتی ہیں؟ درجہ میں اپنے ساتھیوں سے مذاکرہ کریں۔

(ii) کھیتی کرنے کے طور طریقوں میں پہلے کی بہ نسبت آج کس طرح کا بدلاؤ آیا ہے؟ اپنے بزرگوں سے معلوم کریں۔

باب-4

نوآبادیات اور قبائلی معاشرہ

گذشتہ باب میں آپ نے انگریزوں کی مالگذاری نظام اور کھیتی کے حلقے میں آرہی تبدیلیوں کے بارے میں جانا۔ آپ نے یہ بھی جانا کہ کسانوں، زمینداروں اور گاؤں کے دیگر لوگوں پر ان کا کیا اثر پڑا۔ ہندوستان کے کئی علاقوں میں ان کی اس پالیسی کے خلاف کسانوں میں جدوجہد کی شروعات کے بارے میں آپ نے جانا۔ اب اس باب میں آپ ہندوستان کے جنگلوں اور پہاڑی علاقوں میں رہنے والے قبائلی سماج کے لوگوں کی زندگی پر انگریزی حکومت کی پالیسیوں سے پڑنے والے اثرات کے بارے میں جانیں گے۔

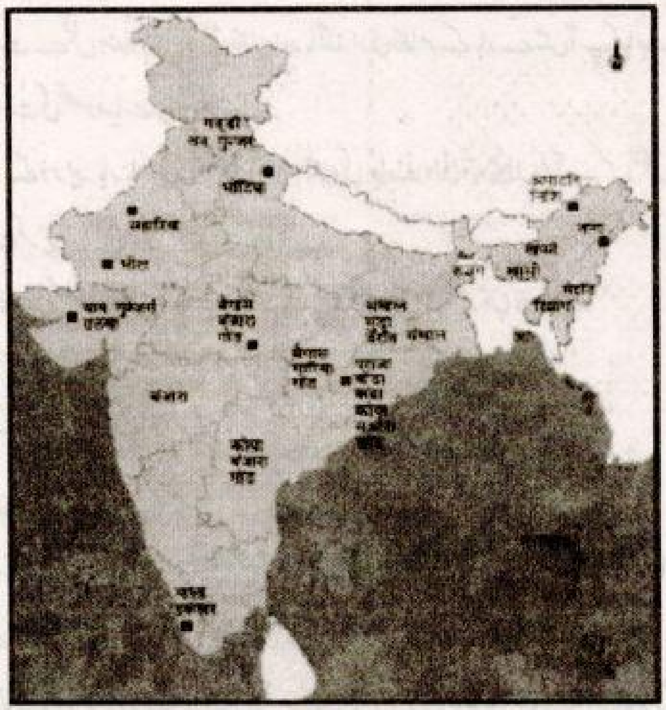

قبائل اکثریت علاقوں کو پیش کرتا ہوا ہندوستان کا نقشہ

قبائلی معاشرے کی زندگی : قبائلی سماج کے لوگ عام زبان میں آدیباسی کہلاتے ہیں۔ ایسا اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اس برصغیر میں سب سے قدیم زمانے سے رہنے والے لوگ ہیں۔ قدیم زمانے سے ہی ان کی زندگی پوری طرح سے جنگلوں پر منحصر تھی۔ ان کے گاؤں اور بستیاں عام طور پر جنگلوں کے بیچ یا آس پاس ہوتے تھے۔ ان کے روزمرہ کے استعمال کی زیادہ تر ضروریات کی تکمیل جنگلوں سے ہی ہوتی تھی۔ یہ آدیباسی ہمیشہ سے ہی پوری شفافیت کے ساتھ جنگلی وسائل کا استعمال کرتے آرہے تھے۔ وہ جنگلوں کو صاف کر کھیتی کے لائق زمین تیار کرتے تھے۔ مسطح علاقے میں وہ ہل سے کھیتی کرتے تھے۔ یہاں وہ دھان دلہن اور مکہ اپجاتے ،لیکن جو پہاڑی علاقوں میں رہتے تھے ان کی کھیتی کا طریقہ الگ تھا۔ اسے 'جھوم کھیتی' کہا جاتا ہے۔

تصویر۔1: جنگلوں کو صاف کر کے کھیتی کرتے ہوئے آدیباسی

اس کے تحت وہ جنگل کے کسی حصہ کو کاٹ چھانٹ کر صاف کرتے تھے۔ دو تین سالوں تک اس جگہ پر کھیتی کرنے کے بعد جب اس جگہ کی اپجاؤ قوت ختم ہوجاتی تھی تب وہ کسی اور جگہ پر یہی عمل دہراتے تھے۔ کچھ سالوں تک پڑتی چھوڑ دینے کے بعد پہلے کی جگہ پر واپس جنگل اگ جاتا تھا۔ اس سے ان کی کھیتی کا کام بھی آسان ہوجاتا تھا اور جنگل کو بھی کوئی نقصان نہیں ہوتا تھا۔ اس اصول کو گھومنتو کھیتی اصول کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

تصویر۔2 : ہل جوتنے والے مویشیوں کا استعمال کرتا ہوا آدیباسی

جنگلوں سے ان کی دیگر روزمرہ کی ضروریات کی بھی تکمیل ہوجاتی تھی۔ جیسے جلاون کے لئے لکڑیاں، کھانے کے لئے قندمول، پھل، شہد وغیرہ یا پھر جڑی بوٹیاں انہیں بڑی آسانی سے مل جاتی تھیں ان سب کے علاوہ وہ مویشی پروری بھی کیا کرتے تھے۔ جن کا چارہ بھی انہیں جنگلوں سے مل جاتا تھا۔ ان کے گھر بھی جنگل کی لکڑیوں کے بنے ہوتے تھے۔ اپنی ضرورت کے استعمال کے علاوہ وہ جنگل سے حاصل ہونے والی کچھ خاص

طرح کے پھل وغیرہ کو نزدیک کے بازار میں بیچ کر اپنی چھوٹی موٹی ضروریات کی تکمیل بھی کیا کرتے تھے۔ ضرورت کی جو چیزیں انہیں جنگل میں دستیاب نہیں ہوتی تھیں جیسے نمک، کپڑے وغیرہ ان کی خریداری بھی وہ پاس کے گاؤں کے تاجروں سے جنگل سے حاصل انہیں چیزوں کے بدلے میں کیا کرتے تھے۔ حالانکہ اس کے لئے کافی اونچی قیمت چکانی پڑتی تھی۔

تصویر۔ 3 : جنگل سے لکڑی کاٹ کر اور پتہ چن کر گھر جاتے ہوئے آدیباسی

تصویر۔ 4: تیر دھنش سے شکار کرتا ہوا آدیباسی

قبائلی سماج کے لوگ غذا کے لئے کچھ چھوٹے جانوروں جیسے ہرن، تیتر اور دیگر پرندوں کا شکار بھی کرتے تھے۔ شکار کا ذریعہ تیر دھنوش یا دیگر چھوٹے ہتھیار ہوتے تھے۔ مگر زیادہ تر ان کی غذا جنگلوں سے حاصل قندمول، پھل اور اناج ہی ہوتا تھا۔

ان کی صنعت وتجارت بھی جنگلوں پر منحصر تھی۔ ہاتھی دانت، بانس اور کچھ معدنیات پر کی گئی ان کی فنکاری دوسرے سماج میں کافی پسند کی جاتی تھیں۔ کچھ علاقوں میں ربڑ، گوند وغیرہ چیزیں انہیں جنگلوں سے ملتی تھیں۔ اس کی بھی وہ تجارت کرتے تھے۔ آگے چل کر کچھ سماجوں نے لاہ / لاکھ اور ریشم کی صنعت کو بھی استعمال کیا۔ وہ ریشم اور لاہ کے کیڑوں کو پالتے تھے اور بعد

تصویر۔ 6 : اروناچل علاقے کی قبائلی عورتوں کے ذریعہ روایتی کرگھا پر بنائی

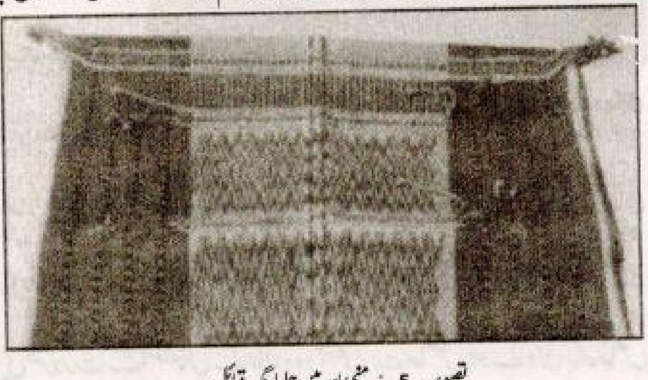

تصویر۔ 5 : منی پور میں جلیانگ قبائل کے ذریعہ تیار کیا گیا تکیہ کا غلاف

میں اسے باہر کے تاجروں کو بیچ دیتے تھے۔ عام طور پر ان سرگرمیوں میں انہیں زیادہ فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ تاجر ان کی چیزیں بہت کم قیمت پر خریدتے تھے۔ ان چیزوں کی اصل قیمت بہت زیادہ ہوتی تھی۔ ان سب کے علاوہ آدیباسی عورتیں گھروں میں چٹائی بنانے، بنائی کرنے اور کپڑا بننے کا کام بھی کرتی تھیں۔

قبائلی سماج کے لوگ جنگل کا استعمال کن کن چیزوں کے لئے کرتے تھے؟ کیا ان کی صنعت کو ترقی دینے میں بھی جنگل کا رول تھا؟

اس طرح صدیوں سے پوری طرح سے جنگلوں پر منحصر رہنے کے باوجود ان کی سرگرمیوں سے جنگلوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا۔ بلکہ وہ ہمیشہ اس کی حفاظت کرتے تھے۔ جنگل کے باہر کی دنیا سے ان کا تعلق بہت زیادہ نہیں تھا اور وہ اپنی پرسکون اور سادہ زندگی سے مطمئن تھے۔ لیکن ان کا یہ اطمینان انگریزوں کے آنے کے بعد بہت دنوں تک قائم نہیں رہا۔

انگریزوں کے ذریعہ قائم کئے گئے نظاموں اور اصولوں کے قبائلی سماج پر اثرات

ہم نے گذشتہ سبق میں دیکھا ہے کہ کس طرح انگریزی سرکار کے افسران زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی کوشش میں لگے تھے۔ اپنی اس کوشش کے تحت انہوں نے پہلے تو مالگذاری کی قیمت کافی زیادہ رکھی۔ اس کے بعد انہوں نے یہ کوشش کی کہ زیادہ سے زیادہ علاقوں کے لوگ اس نظام کے تحت آجائیں۔ اسی کوشش میں وہ جنگلوں اور اس کے آس پاس رہنے والے قبائلی سماج کے گاؤں اور بستیوں تک پہنچ گئے۔ اس طرح مالگذاری نظام کا نقصان دہ اثر اس سماج پر سب سے پہلے پڑا۔ روایتی طور سے اس سماج کے لوگوں کا یہ ماننا تھا کہ جنگلوں کو صاف کر کے ان کے مورثوں نے اسے کھیتی کے لائق بنایا ہے۔ اس لئے زمین کے مالک وہ خود ہیں۔ اس کے لئے انہیں کسی کو کسی طرح کی مالگذاری یا ٹیکس دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن نئی مالگذاری نظام کے تحت ان سب کے ذریعہ جوتی جانے والی زمینوں کو بھی سرکاری دستاویزوں میں درج کیا گیا اور جیسا کہ باقی کسانوں کے ساتھ ہوا۔ ان کے اوپر بھی سالانہ مالگذاری کی رقم طے کر دی گئی۔ مالگذاری کی یہ رقم ان کے لئے اتنی زیادہ ہوتی

تھی کہ اکثر انہیں مالگذاری ادا کرنے کے لئے قرض لینا پڑتا تھا اور قرض چکا پانا ان کے لئے اور بھی مشکل ہوتا تھا۔ اس طرح دھیرے دھیرے ان کی زمینیں یا تو نیلام ہونے لگیں یا پھر مہاجنوں کے قبضے میں چلی جانے لگیں۔ اس کا ایک اور سیدھا اثر جھوم کھیتی کرنے والے لوگوں پر پڑا۔ اب انہیں الگ زمینوں پر کھیتی کرنے کی آزادی نہیں رہی۔

ان کی بستیوں تک سرکاری کرمچاریوں کے پہنچنے کا ایک دوسرا اثر بھی ہوا۔ قرض لینے والوں کی تعداد بڑھنے کی وجہ سے اب ان کے علاقوں میں غیر آدیباسی سیٹھ مہاجن اور سود خوروں کا بھی داخلہ ہوا۔ یہ مہاجن و ساہوکار ہمیشہ اس کوشش میں رہتے کہ کس طرح ان کی زمینوں کو غصب کر لیا جائے اور انہیں اپنا بندھوا مزدور بنایا جائے۔

انہیں بھی جانیں!

سلیپر۔ لکڑی کا تختہ جس کے اوپر ریل کی پٹریاں بچھائی جاتی ہیں۔

انگریزوں کے زمانے میں ایک بات اور ہوئی جنگل کی لکڑی کی تجارت اچانک ہی بڑی تیزی سے بڑھ گئی۔ اس وقت کولکاتہ، ممبئی اور چنئی (اس وقت کلکتہ، بمبئی اور مدراس) جیسے بڑے بڑے شہر بس رہے تھے۔ میلوں لمبی ریل لائینیں بچھائی جارہی تھیں اور بڑے بڑے جہاز بنائے جارہے تھے۔ ان سب کے لئے لکڑیوں کی ضرورت تھی۔

تصویر۔ 7 : جنگل کی کٹائی کروا کر سلیپر تیار کرتے انگریز افسران

1850ء کے بعد ہندوستان میں انگریزوں نے ریلوے کی شروعات کی تھی۔ تب سے لے کر 1910ء تک تقریباً پچاس ہزار کیلو میٹر ریل لائینیں بچھائی جا چکی تھیں۔ ریل لائنوں کے سلیپروں اور ریل کے ڈبوں کے لئے لکڑیوں کی ضرورت تھی۔ اس

کے لئے انگریزوں نے بڑے پیمانے پر جنگلوں کی کٹائی شروع کردی۔

اس کے علاوہ عمارتوں، کھدانوں اور جہازوں کے لئے معقول مقدار میں لکڑی کاٹ کر بیچا جانے لگا۔ یہ کام لکڑی کے تاجر اور جنگل کے ٹھیکیدار کیا کرتے تھے۔ برٹش حکومت کو بھی اس لکڑی کی تجارت سے بڑا فائدہ ہوتا تھا۔ سرکار جنگلوں کو کاٹنے کا ٹھیکہ نیلام کرتی تھی۔ ٹھیکیداروں سے ملے پیسوں سے سرکار کو بہت آمدنی ہوتی تھی۔

جب ٹھیکیدار بے تحاشا جنگل کاٹنے لگے اور جنگل تیزی سے ختم ہونے لگے۔ تب افسران کو فکر ہونے لگی۔ اگر سارے جنگل کٹ جائیں گے تو ریل جہاز اور مکانوں کے لئے لکڑیاں کہاں سے آئیں گی۔ تب انہوں نے جنگل میں نئے پودے لگانے شروع کئے۔ مگر انہوں نے ایسے پودے لگانے شروع کئے جن کی بازار میں مانگ تھی۔

جنگل کا محکمہ بنا :

تیزی سے ختم ہوتے جنگل کا مسئلہ حل کرنے کے لئے برٹش سرکار نے 1864ء میں جنگل کا محکمہ قائم کیا اور 1865ء میں جنگل کا قانون بھی بنایا گیا۔ محکمۂ جنگلات کا کام تھا جنگلوں کی کٹائی پر نگرانی رکھنا اور نئے جنگل لگانا۔ جنگل قانون کے تحت نئے درختوں کی حفاظت کے لئے اور پرانے جنگلوں کو بچانے کے لئے متعدد قانون بنائے گئے۔ ان سب کا اثر یہ ہوا کہ عام لوگوں اور آدیباسیوں کا جنگلوں پر جو روایتی اختیار تھا وہ ختم ہونے لگا۔ وہ اب اپنی مرضی سے لکڑی کاٹنے، جانور چرانے پھل پھول اکٹھا کرنے یا شکار کرنے کے لئے جنگلوں میں نہیں جاسکتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کا جنگل میں داخلہ بھی ممنوع قرار دیا گیا۔ ابھی تک اپنی ضروریات کی تکمیل کے لے آدیباسی بہت حد تک جنگلوں پر منحصر تھے لیکن اب اس پر برٹش سرکار نے پابندی لگادی۔

1878ء میں انگریزوں نے ایک اور قانون بنایا۔ اس کے تحت جنگلوں کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا۔ بڑے جنگلوں کو سرکاری جنگل یا محفوظ جنگل اعلان کر کے سرکار نے وہاں اپنا قبضہ قائم کرلیا۔ اب آدیباسی وہاں لکڑیاں چننے یا جنگلی پیداوار کو حاصل کرنے نہیں جاسکتے تھے۔ جنگل کے محکمہ کے کرمچاریوں یا تاجروں کو ہی وہاں جانے کی اجازت تھی۔ اسی قانون کے تحت

جنگل کے باہری علاقوں کو اور دیگر جنگلوں کو محفوظ جنگل کہا گیا جس میں لوگوں کو جانے کی اجازت تھی مگر وہاں سے صرف اپنے کام کی چیز ہی لا سکتے تھے۔ وہ وہاں پیڑ نہیں کاٹ سکتے تھے۔ یا دو دن سے زیادہ اپنے جانور بھی نہیں چرا سکتے تھے۔

ان سب قوانین اور انتظاموں کا اثر یہ ہوا کہ آدیباسی لوگوں کی زندگی بہت مشکل ہو گئی۔ صدیوں سے جس طرح کی زندگی گذارنے کے وہ عادی تھے۔ وہ اب ممکن نہیں رہا۔ اس لئے اب نئے کام دھندوں کی تلاش میں انہیں جنگل اور اپنی بستیوں سے باہر آنا پڑا۔ ان دنوں جنگل محکمہ کا زیادہ تر کام ٹھیکیداروں کے ذریعہ ہی کیا جاتا تھا۔ کچھ ٹھیکیدار جنگل محکمہ کے لئے لکڑی کاٹنے کا کام کرتے تھے تو کچھ جنگلوں کے آس پاس سڑک بنانے کا کام۔ آدیباسی لوگوں کے پاس اب اپنا کوئی کام دھندا تو تھا نہیں تو انہوں نے ان ٹھیکیداروں کی نوکری ہی کر لی۔ یہاں انہیں جو مزدوری ملتی اس سے ان کا گذارا تو ہو جاتا مگر اپنی دیگر ضروریات کے لئے انہیں ٹھیکیداروں اور ساہوکاروں کے آگے قرض کے لئے ہاتھ پھیلانا پڑتا۔

ساہوکاروں سے لیا گیا قرض چکا پانا ان کے لئے آسان نہیں ہوتا۔ یہ آدیباسی بہت کم بلکہ نہیں کے برابر پڑھے لکھے تھے۔ جس کی وجہ سے یہ سود کی رقم یا مہاجن نے ان پر کتنے رقم کا بوجھ ڈالا اسے نہیں سمجھ پاتے تھے۔ سود کی رقم نہیں چکا پانے کی وجہ سے انہیں زمین کے ساتھ ساتھ اپنے جانوروں اور ہل پھال وغیرہ سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا تھا۔ آخر میں قرض نہیں چکا پانے کی حالت میں ان کے پاس ساہوکار کا بندھوا مزدور بننے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔

> جانکاری
>
> بیگاری: بغیر مشاہرہ یا مزدوری کے کام کرنا

ٹھیکیداروں اور مہاجنوں کے مظالم سے بچنے کے لئے کئی علاقوں کے آدیباسیوں کو کام کی تلاش میں اپنے قیام گاہ سے دور کے مقامات پر بھی جانا پڑتا تھا۔ وہ آسام کے چائے بگانوں اور ہزاری باغ و دھنباد کے کوئلہ کھدانوں میں بھی کام کرنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ ایسی جگہوں پر انہیں ٹھیکیداروں کے ذریعہ کام پر رکھا جاتا تھا۔ یہاں بھی یہ ٹھیکیدار انہیں بہت کم مزدوری دیتے تھے اور زیادہ سے زیادہ منافع اپنے

> جانکاری
>
> بندھوا مزدور: قرض چکانے کے لئے بغیر مشاہرہ مالک کی زمین پر تب تک کام کرتے رہنا جب تک کہ قرض کی رقم سود سمیت ادا نہ ہو جائے۔

پاس رکھ لیتے تھے۔

مالگذاری بندوبست اور جنگل قانون کے ذریعہ انگریزوں نے آدیباسیوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟

اگر آپ ان میں سے ایک ہوتے تو آپ کا کیا ردعمل ہوتا؟

ٹھیکیداروں اور مہاجنوں کے علاوہ اسی وقت انہیں تعلیم دینے کے مقصد سے عیسائی مشنریوں کی بھی ان کے علاقے میں آمد ہوئی۔ عیسائی مشنریوں کا حقیقی مقصد قبائلی علاقوں پر اپنا غلبہ قائم کرنا اور ان کا مذہب تبدیل کرنا تھا۔ انہوں نے آدیباسیوں کے مذہب اور ان کی ثقافت پر تنقید کرنا شروع کر دیا اور بہت سے آدیباسیوں کا مذہب بھی تبدیل کر دیا۔ عیسائی مشنریوں نے انہیں یہ لالچ دیا کہ وہ سیٹھ ساہوکاروں اور مہاجنوں سے ان کی حفاظت کرے گا۔ لیکن حقیقت کچھ اور تھی۔ یہ مشنریاں سیٹھ ساہوکار، زمیندار اور بچولئے کے ساتھ مل کر آدیباسیوں کا خوب اقتصادی اور جسمانی استحصال کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انگریزوں اور غیر آدیباسیوں کے خلاف قبائلی سماج کے لوگوں نے جابجا ہتھیار اٹھالئے۔

آدیباسیوں کی ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ تمام غیر آدیباسی یا باہری لوگوں کو جو دیہی اقتصادی نظام میں ان کے معاون کا کردار ادا کرتے تھے۔ ان سے ان کا گہرا سماجی تعلق تھا۔ یہ انگریزوں کے خلاف متحد ہونے میں ان کے مددگار بھی ہوتے تھے۔

قبائلی بغاوت کی شکل :

انیسویں صدی میں ہندوستان کے تقریباً تمام علاقوں میں آدیباسیوں نے انگریزوں اور ان کے معاون غیر آدیباسیوں کے گھس پیٹھ اور استحصال کے خلاف لڑائی شروع کر دی۔ ہندوستان میں سب سے بڑی تعداد بھیل قبائل کی ہے۔ گجرات، مدھیہ پردیش، آندھر پردیش، راجستھان، تریپورہ، کرناٹک وغیرہ صوبوں میں انہوں نے مہاجنوں اور ساہوکاروں کے استحصال کی مخالفت کرتے ہوئے ان کے قانونوں پر عمل کرنا بند کر دیا۔ گونڈوانہ کے گونڈ لوگوں نے اپنی زمین

کی حفاظت، اپنی پیداوار کے لئے مناسب قیمت کی ادائیگی، جنگلوں سے متعلق مختلف سرگرمیوں سے بچولئے اور ٹھیکیداروں کو دور رکھنے اور ساہوکاروں کے ذریعہ استحصال کو روکنے وغیرہ کے لئے بغاوت شروع کردی۔ اڑیسہ میں بندھ ذات کی بغاوت بھی زمینداروں اور ساہوکاروں کے استحصال کے خلاف تھا۔ شمال مشرق میں بغاوت کی شکل کچھ الگ ہی تھی۔ یہاں کی اکثریت آدیباسی افیم کی کھیتی کرتے تھے۔ انگریزوں نے افیم کی کھیتی پر بڑھتے ہوئے منافع کو دیکھ کر اسے اپنے قبضہ میں لینے کی کوشش کی اور سرکاری اجازت کے بغیر افیم کی کھیتی پر روک لگادی۔ لیکن سب سے زیادہ بغاوت کا شعلہ اس عہد کے بہار کے سنتھال پرگنہ اور چھوٹا ناگپور کمشنری میں دھڑک رہا تھا۔ یہاں کے آدیباسی سیٹھ ساہوکار، مہاجن اور غیر آدیباسی بچولئے کے استحصال کے شکار تو تھے ہی ساتھ ہی انگریزوں کے ذریعہ ان لوگوں کو دی جارہی ہمت افزائی کے بھی خلاف تھے۔ عیسائی مشنریوں کی گھس پیٹھ بھی ان کی مخالفت کی ایک بڑی وجہ تھی۔

اس عہد کے اخبار کلکتہ ریویو میں انگریزوں کے ذریعہ سنتھالوں پر استحصال کے بارے میں چھپا مضمون :

زمیندار، پولس، شعبہ محصولات اور عدالتوں نے سنتھالوں پر بے انتہا ظلم کیا۔ ان کی زمین جائیداد چھین لی۔ ہر قدم پر سنتھالوں کو بے عزت کیا جاتا تھا اور مارا پیٹا جاتا تھا۔ سنتھالوں کو قرض دے کر 50 سے 500 فیصد کی در سے سود وصولا جاتا تھا۔ دولت منداور طاقت ور لوگ جب من میں آتا تھا محنت کش سنتھالوں کی کھڑی فصلوں پر ہاتھی دوڑادیا کرتے تھے۔ یہ ظلم عام بات ہوگئی تھی۔ دکو اور سرکاری کرمچاری بھی سنتھالوں کی نظر میں ظالم تھے۔ یہ لوگ سنتھالوں سے بیگاری کراتے تھے۔

> دکو : غیر آدیباسی سیٹھ اور مہاجن جو زیادہ سود پر قرض دیتے تھے اور ان کا استحصال کرتے تھے یہ تاجر اور بچولئے کا کام کرتے تھے۔

شروع میں ان آدیباسیوں نے اپنے اپنے لیڈر کی قیادت میں مالگذاری کی رقم دینا بند کردیا اور مہاجنوں وساہوکاروں کے احکام اور اصول کو ماننے سے انکار کردیا۔ لیکن جب غیر آدیباسیوں کی حمایت میں انگریزی سرکار اپنی فوج کے ساتھ کھڑی ہوگئی اور زور زبردستی کرنے لگی تب یہ افسران انگریزوں کے خلاف ہتھیار لے کر کھڑے ہوگئے۔ کچھ آدیباسی جماعتوں نے اپنا مقصد اپنے علاقے سے انگریزی حکومت کو ختم کرنا بنالیا۔ اس دور کے بہار میں سنتھال بغاوت، منڈا بغاوت اور تانا بھگت تحریک نے آدیباسیوں سے زمین چھیننے کا سلسلہ ختم کر قبائلی سماج کو تحفظ فراہم کرنے کا راستہ صاف کردیا۔ شمال مشرق ہندوستان میں بھی کھسیا، گارو اور ناگا قبائل نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کردیا۔ یہ تمام بغاوت ایک منظم بغاوت تھی۔

کیا قبائلی بغاوت صرف انگریزوں کے خلاف بغاوت تھی؟ ان بغاوتوں کے لئے سیٹھ ساہوکاروں اور مہاجن کہاں تک ذمے دار تھے؟

یہاں آپ خاص طور سے چھوٹا ناگپور کے منڈا بغاوت اور شمال مشرق میں ناگا قبائل کا جیلیا نگ رانگ تحریک کے بارے میں پڑھیں گے۔

برسا منڈا اور منڈا بغاوت :

برسا منڈا کی پیدائش 15 نومبر 1874ء کو چھوٹا ناگپور کمشنری تماڑ تھانہ کے تحت اولہاتو گاؤں کے قریب ایک چھوٹے سے علاقہ چل کد میں ہوا تھا۔ ان کے والد کا نام سگنا منڈا اور ماں کا نام کدی تھا۔ برسا کی تعلیم وتربیت چائباسہ کے ایک جرمن مشن اسکول میں ہوئی تھی۔ ابتدا میں کچھ منڈاؤں کے ساتھ مل کر انہوں نے عیسائی مذہب بھی قبول کیا۔ لیکن بعد میں عیسائی مذہب سے ناراض ہوکر پھر منڈا بن گیا۔ ان کے دل میں انگریزوں اور زمینداروں کے تئیں غصہ اور نفرت کے جذبات نے ہی منڈا بغاوت کو جنم دیا۔

1895ء میں برسا کو ان کے کل دیوتا سنگ بونگا سے ایک نئے مذہب کے اجرا کی تحریک ملی۔ جس کے مطابق انہوں نے اپنے آپ کو بھگوان کا اوتار اعلان کردیا اور برٹش حکومت کے خاتمے کا بیڑا اٹھالیا۔ اس کے لئے انہوں نے منڈاؤں کو مثالی

تصویر۔ 8 : برسا منڈا

اور مقدس زندگی جینے کا پیغام دیا۔ کچھ ہی دنوں میں ان کے مقلدین کی تعداد زیادہ ہونے لگی اور وہ سب برسا کو پیغمبر ماننے لگے۔ برسا نے تبلیغ کی کہ اب منڈا راج شروع ہو گیا ہے۔ انہوں نے منڈاؤں کو حکم دیا کہ کسی کو بھی محصول نہ دیں اور زمین کا مصرف بغیر محصول دیئے ہی کریں۔ برٹش حکومت نے اس بغاوت کی وجہ سے برسا منڈا کو گرفتار کر کے رانچی جیل بھیج دیا اور ان پر بغاوت کا الزام لگایا۔ لیکن جیل سے چھوٹنے کے بعد برسا نے پھر سے لوگوں کی حمایت حاصل کرنا شروع کر دیا اور برٹش حکومت کے خلاف عوامی جدوجہد کے لئے مورچہ بنانا شروع کر دیا۔

لوگوں کو تیر کمان کی تعلیم دی جانے لگی اور رات میں جلسے منعقد کئے جانے لگے۔ 25 دسمبر 1899ء کو برسا نے پہلا حملہ عیسائی مشنریوں پر کیا جس کا مقصد عیسائی بنے منڈاؤں کو دہشت زدہ کر انگریزوں کے خلاف کھڑا کرنا تھا۔ اس میں بہت سے لوگ مارے گئے۔ بہتوں کو گرفتار کر لیا گیا اور بہت جلد برسا کو بھی گرفتار کر لیا گیا اور 2 جون 1900 کو ہیضہ کی بیماری سے رانچی جیل میں ہی برسا کی موت ہو گئی۔

برسا نے خود کو بھگوان کا اوتار کیوں اعلان کیا؟

برسا منڈا کی موت کے بعد بھی منڈا تحریک رکی نہیں۔ بلکہ قبائلی علاقوں میں اس نے اور گہری جڑیں جمالیں اور آخر کار چھوٹا ناگپور کے اس عہد کے کمشنر کی سفارش پر 1902ء میں گملا اور 1905ء میں کھونٹی سب ڈویژن بنایا گیا تا کہ مسائل کو نزدیک سے سمجھا جا سکے۔ آدیباسی کسانوں کو تحفظ عطا کرنے کے لئے چھوٹا ناگپور کا شتکاری قانون 1908ء بنایا گیا۔ اس کے ذریعہ قبائلی علاقوں کی زمین کا غیر آدیباسیوں کو تبادلہ ممنوع قرار دیا گیا۔

اس طرح منڈا تحریک نے برٹش حکومت کو جھکا دیا۔ ڈیڑھ سو سالوں سے چلا آ رہا زمین چھیننے کا سلسلہ ختم ہو گیا اور قبائلی

سماج کوتحفظ حاصل ہوا۔اس تحریک نے ہندوستان میں چل رہے قومی تحریک کو بھی متاثر کیا۔اس وقت کے اخبار جیسے انگلش مین (Englishman)، پایونیر (Pioneer) اور اسٹیٹس مین (Statesman) وغیرہ میں اس تحریک کو کچلنے کی برٹش حکومت کی پالیسی کی کافی تنقید کی گئی۔ برسا کو بھگوان مان کر چھوٹا ناگپور کے قبائلی سماج کے لوگوں نے اس کے خوابوں کو پورا کرنے کا بیڑا اٹھالیا۔اب انہیں صرف زمین ہی نہیں بلکہ انگریزوں سے آزادی بھی حاصل کرنی تھی۔

منڈاری عوامی گیت جس میں برسامنڈا کو آج بھی یاد کیا جاتا ہے۔

مایوم تام دو برسا— باہوریکو ٹیکا۔ سندری کیڈ

جنگ تام دو برسا— دیشوم ہورو کو بلنگ کیڈ

ایبناریکا کو دو برسا— دیشوم ہورو کو تاجیہ کیڈ

(ترجمہ : اے برسا! تیرے خون کا سر میں ٹیکا لگایا۔اے برسا تیری ہڈی کا پردیسی لوگوں نے نمک لگایا۔ اے برسا تیرے سچے کاموں کو غیر ملکیوں نے اپنالیا)

اسی وجہ سے برسا قبائلی علاقے میں بھگوان کی شکل میں عبادت کے لائق ہیں :

تماڑ پرگنہ گیریڈے اولی ہاتو

برسا بھگوان اے جونوم لینا

منڈا بغاوت کے بعد بھی چھوٹا ناگپور میں بغاوت کی آگ نہیں دبی برٹش سامراج واد کے خلاف قومی تحریک چلتی رہی جو بعد میں کانگریس کی قیادت میں چلائے جارہے قومی تحریکوں کا حصہ بن گیا۔

تصویر۔ 9 : جنگ کرتے ہوئے آدیباسی

شمال مشرق ہندوستان میں جینیانگ رانگ تحریک :

شمال مشرقی ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف ناگا قبائل نے سب سے مضبوط بغاوت کی۔ انیسویں صدی میں اس فرقہ کے لوگوں نے کئی بار بغاوت کی لیکن 1891ء میں جب انگریزوں نے منی پور کے شہزادہ کو پھانسی پر چڑھا کر اس پر اپنا قبضہ کرلیا تب ناگا ذات کی بغاوت نے اور زیادہ زور پکڑ لیا۔ اس وقت منی پور نے جے مئی، لیانگ مئی اور رانگ مئی نام کے ناگا قبائل کی اکثریت تھی۔ سیاسی اور سماجی اتحاد کا قیام، غیر ملکی گھس پیٹھ سے تحفظ اور مذہبی اصلاح کے لئے جادونانگ نام کے رانگ مئی قبیلہ کے قائد کی قیادت میں 1920ء میں قبائلی لوگوں نے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا۔ درج بالا تین قبائل کے نام پر اس تحریک کو جیلیانگ رانگ تحریک کا نام دیا گیا۔ جادونانگ نے سب سے پہلے ان تینوں قبائل میں اتحاد قائم کرکے انگریزوں اور غیر آدیباسیوں کو باہر بھگانے کا ایک سیاسی منصوبہ بنایا۔ خاص بات یہ تھی کہ ان کی تحریک آگے چل کر گاندھی جی کے ذریعہ چلائے گئے سول نافرمانی تحریک کے ساتھ جڑ گئی۔

جادونا نگ نے ناگا قبائل کے ساتھ کیا کیا؟

جادونا نگ نے اپنی تیرہ سالہ چچازاد بہن گنڈالیو کے ساتھ مل کر ایک خفیہ تحریک کا منصوبہ بنایا اور ناگا صوبہ کے قیام کی کوششیں شروع کیں۔ اس میں جادونا نگ کو کافی کامیابی مل گئی۔ لیکن برٹش حکومت کو اس کی بھنک مل گئی۔ اس لئے ایک قتل کے معاملے میں پھنسا کر 29 راگست 1929ء کو انگریزوں نے اسے پھانسی کی سزا دے دی۔ اس کے باوجود تحریک تھمی نہیں گنڈالیو نے اسے جاری رکھا۔ انگریزوں کے ذریعہ 1932ء میں اس تحریک کو بھی دبا دیا گیا اور گنڈالیو کو عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ 1947ء میں آزادی ملنے کے بعد اسے رہا کیا گیا۔ گنڈالیو نے انگریزی حکومت کے ظالمانہ قانونوں کی نافرمانی کا خوف قبائل کے اندر جگایا اور اس طرح وہ گاندھی جی کے سول نافرمانی تحریک کی مرکزی دھارا سے اپنی تحریک کو جوڑنے میں کامیاب رہی۔

تصویر۔ 9 : رانی منڈالیو

حصول آزادی کے بعد قبائلی سماج کے لوگوں کے اقتصادی ترقی کے لئے بہت سارے قانون بنائے گئے۔ انہیں قومی دھارے میں جوڑنے کے لئے کئی ترکیبیں کی گئیں۔ پھر بھی ان میں بے اطمینانی کی لہر پھیلی رہی۔ اس کی خاص وجہ جغرافیائی اور سیاسی تھی۔ گرچہ دستور میں قبائل اور آدیباسیوں کے لئے تعلیمی اداروں اور ملازمت میں تحفظات کا انتظام کر دیا گیا تھا تاہم ان کی بے اطمینانی میں کمی نہیں آئی۔ ناگا قبائل کسی بھی قیمت پر اپنی ثقافتی شناخت کو کھونا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے مجبور ہو کر یکم دسمبر 1963ء کو الگ ناگالینڈ صوبہ قائم کیا گیا۔ دستور میں شمال مشرقی صوبوں کے لئے خاص انتظام کیا گیا جس کے مطابق آسام، تریپورہ اور منی پور وغیرہ میں آدیباسیوں کو ان کے داخلی معاملے میں خوداختیاری دی گئی۔ پارلیامنٹ کے ذریعہ پاس شدہ قانون یہاں اس وقت تک نافذ نہیں ہوتا ہے جب تک کہ اسمبلی کی ایک خصوصی کمیٹی اس کی توثیق نہ کر دے۔

سنتھال پرگنہ اور چھوٹا ناگپور میں بھی قبائلی بغاوت کم نہیں ہوئی اور وہ الگ علاقائی شناخت کے لئے لگاتار جدوجہد

کرتے رہے۔ نتیجہ کے طور پر پندرہ نومبر 2000ء کو بہار کی تقسیم کر کے جھارکھنڈ صوبہ بنا دیا گیا۔

قبائلی بغاوتوں میں عورتوں کا رول

نوآبادیاتی نظام کے خلاف آدیباسیوں کی بغاوت میں آدیباسی عورتوں کا رول بھی کافی اہم رہا ہے۔ یہ عورتیں فوجی کاروائی سے لے کر بغاوت کی قیادت کرنے تک کے کام میں عورتوں کا ساتھ دیتی تھیں۔ سنتھالی بغاوت میں رادھا اور ہیرا نام کی عورتوں نے گڑانسا، کلہاڑی، اور لاٹھی جیسے اسلحوں کا استعمال کیا تھا جس کے لئے انگریز سرکار نے انہیں قید کرلیا تھا۔ سدھو کی بہن پھولو اور جھانو نے انگریزی کیمپ میں گھس کر اکیس فوجیوں کو تلوار سے مار گرایا تھا۔ 1899ء میں منڈا بغاوت کے وقت برسا منڈا کی عورت ساتھی سالی اور چمپی کی مثالیں ملتی ہیں جنہوں نے فوجی تنظیم بنا کر برسا کا ساتھ دیا تھا۔ برسا کے دوست گیا منڈا کی بیوی کانی بوئی بیٹی، تھیگی، ناگی اور لیبو اور اس کی دو بہوؤں نے انگریزوں کے خلاف، گڑانسا، تلوار اور لوہے کے چھڑ کا استعمال کیا۔

تانا بھگت تحریک میں بھی چترا بھگت کے بعد لیکو اراوں نام کی قبائلی عورت نے قیادت سنبھالا۔ شمال مشرقی علاقہ میں گنڈالیواس کی بہترین مثال ہے۔

ہندوستان کے دیگر علاقوں میں جیسے گونڈ قبائل کے علاقے میں گونڈ خاتون راج موہنی دیوی نے 1960 کے عشرے کے نصف آخر سے 1950ء کے عشرے کی ابتدا تک تحریک کی قیادت سنبھالی۔

اگرچہ قبائلی علاقوں میں تعلیم کی کمی تھی تاہم غیر آدیباسیوں اور انگریزوں کے استحصال کے خلاف آدیباسی خواتین نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

مشق

آیئے پھر سے یاد کریں :

1. صحیح متبادل کو چنیں:

(i) قبائلی سماج کے لوگ عام زبان میں کیا کہلاتے تھے؟

(الف) ہریجن (ب) آدیباسی

(ج) سکھ (د) ہندو

(ii) دکو کسے کہا جاتا ہے؟

(الف) انگریز (ب) مہاجن

(ج) غیر آدیباسی (د) آدیباسی

(iii) برسامنڈا کس علاقے کے آدمی تھے؟

(الف) چھوٹا ناگپور (ب) سنتھال پرگنہ

(ج) منی پور (د) ناگالینڈ

(iv) گنڈالیوں نے انگریزی سرکار کے ظالمانہ قانونوں کو نہیں ماننے کا احساس قبائلیوں میں جگا کر گاندھی جی کے کس تحریک میں قبائلی تحریک کو جوڑنے کی کامیاب کوشش کی؟

(الف) عدم تعاون تحریک (ب) سول نافرمانی تحریک

(ج) ہندوستان چھوڑو تحریک (د) کھیرا تحریک

(v) جھارکھنڈ صوبہ کس صوبے کی تقسیم کے نتیجے میں بنا تھا؟

(الف) بہار (ب) بنگال

(ج) اڑیسہ (د) مدھیہ پردیش

2. درج ذیل کے جوڑے بنائیے۔

(الف) جادونانگ	(الف) منی پور
(ب) برسامنڈا	(ب) اڑیسہ
(ج) کندھ ذات	(ج) جیلانگ رنگ
(د) ٹیکیندرجیت سنگھ	(د) تانا بھگت سنگھ
(ہ) جترا بھگت	(ہ) سینگ بوگا

آیئے غور کریں :

(i) اٹھارہویں صدی میں قبائلی سماج کے لئے جنگل کی کیا افادیت تھی؟

(ii) غیر آدیباسیوں اور انگریزوں کے تئیں آدیباسیوں کی مخالفت کیوں ہوتی؟

(iii) جنگل قانون نے آدیباسیوں کے کن اختیارات کو چھین لیا؟

(iv) عیسائی مشنریوں نے آدیباسی سماج میں بے اطمینانی پیدا کردی کیسے؟

(v) برسامنڈا کون تھے؟ انہوں نے قبائلی سماج کے لئے کیا کیا؟

(vi) جادونانگ کون تھا؟

(vii) قبائلی بغاوت میں خواتین کے رول کو بیان کیجئے۔

(viii) قبائلی سماج کی خواتین کی گھریلو صنعت کیا تھی؟

آیئے کرکے دیکھیں :

(i) انگریزی حکومت سے قبل قبائلی سماج کے لوگوں کی زندگی کیسی تھی؟ انگریزوں کی پالیسیوں سے ان میں کیا تبدیلیاں آئیں؟ درجے میں استاد کے ساتھ مذاکرہ کریں۔

(ii) شمال مشرقی ہندوستان کی قبائلی بغاوت ہندوستان کے دیگر حصوں کے قبائلی بغاوت سے کس طرح الگ تھی؟

باب-5

دست کاری اور صنعت

ہندوستان ایک زراعت پر منحصر ملک ہے۔ لیکن دست کاری اور صنعت کے حلقے میں بھی دنیا میں پیش پیش رہا ہے۔ ہندوستان میں دستکاری اور صنعت انگریزوں کی حکومت سے قبل کافی ترقی یافتہ حالت میں تھی۔ یہاں کی خاص صنعت کپڑے کی صنعت تھا۔ مغلوں کے دورِ حکومت میں یہاں سے ایشیا اور یورپ کے ممالک میں سامان برآمد کیا جاتا تھا۔ خاص طور سے ڈھاکے کی ململ، بنگال اور لکھنؤ کی چھینٹ، احمد آباد کی دھوتیاں اور دوپٹے، ناگپور اور مرشد آباد کے ریشمی کنارے والے کپڑے اور کچھ دیگر سوتی کپڑوں کا برآمد بڑی مقدار میں ہوتا تھا۔ اس کے بدلے سونا اور چاندی درآمد ہوتا تھا۔ مصارف کی بہت ہی کم سامان درآمد کی جاتی تھیں۔ جیسے اونی کپڑا، تانبا، لوہا اور کاغذ، ایشیا کے ممالک میں چین سے چائے چینی مٹی کے برتن۔ انڈونیشیا سے مسالے اور عطر اور عرب سے قہوہ، کھجور اور شہد وغیرہ۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کے نصف اول میں ہندوستانی دستکاری اور صنعت کی حالت خراب ہونے لگی۔ مغل حکومت کے زوال کے بعد سیاسی غیر یقینی اور غیر ملکی حملوں اور یورپی تاجروں کی آمد نے ہندوستانی تاجروں کو نقصان پہنچایا۔ کئی علاقائی حکمرانوں نے اپنی حکومت کی سرحد میں داخل ہونے کے لئے تاجروں پر زیادہ محصول لگا دیا جس سے تجارت میں گراوٹ آنے لگی۔ اس کی پیداوار پر بھی برا اثر پڑا۔ پھر بھی ہندوستانی بنکروں اور دستکاروں کی مہارت کا کوئی جوڑ نہیں تھا۔ اس وقت کپڑوں کی صنعت کے خاص مراکز تھے۔ بنگال میں ڈھاکہ، گجرات میں احمد آباد، سورت اور بھروچ، اتر پردیش میں لکھنؤ بنارس، جونپور اور آگرہ، کرناٹک میں بنگلور، تمل ناڈو میں کوئمبتور اور مدورائی میں، آندھرا پردیش میں وشاکھاپٹنم اور مچھلی پٹنم۔ کشمیر اونی کپڑے کے لئے مشہور تھا۔ صنعت کی ترقی کی وجہ سے تمام صنعتی مراکز شہر بن گئے۔ جس کے بارے میں باب-10 میں آپ آگے پڑھیں گے۔

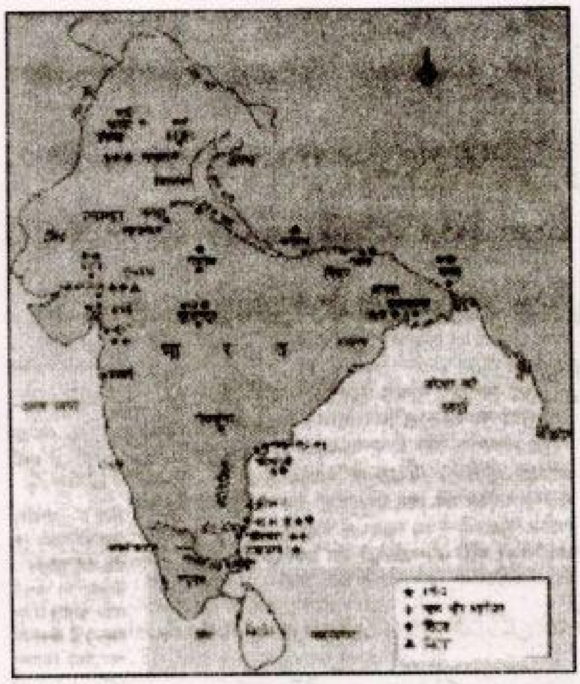

تصویر۔ 1 : اٹھارہویں صدی میں ہندوستان میں بنائی کے اہم مراکز

ہندوستان کی دستکاری اور خوشحالی دیکھ کر یورپ کی کئی تجارتی کمپنیاں تجارت کے لئے آنے لگیں۔ باب۔2 میں آپ نے پڑھا ہے کہ سب سے پہلے پرتگالیوں نے کالیکٹ میں اپنی کوٹھیاں قائم کیں۔ انگلینڈ کی مہارانی الزبیتھ نے بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنے کی اجازت دے دی۔ انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں قیمتی سامان لاتی تھیں اور اس کے بدلے کپڑے اور مسالے وغیرہ ہندوستان سے لے جاکر غیر ممالک میں بیچتی تھیں۔ اس طرح اٹھارہویں صدی کے نصف اول تک یورپ ہندوستان میں تیار شدہ سامانوں کا خریدار تھا، لیکن ہندوستان کی معاشی خوشحالی کا خاص سبب سوتی کپڑوں کا ہتھ کرگھا صنعت تھا۔

سولہویں صدی میں پرتگالیوں کی تجارت سب سے پہلے کالیکٹ سے شروع ہوئی۔ اس لئے انہوں نے سوتی کپڑوں کو کیلی کو نام دیا۔ اسی طرح باریک سوتی کپڑوں کو یورپ کے لوگوں نے سب سے پہلے عرب تاجروں کے پاس عراق کے موصل نام کے شہر میں دیکھا تھا۔ جس کی وجہ سے باریک بنائی والے تمام سوتی کپڑوں کو انہوں نے مسلن نام دیا۔ اس تناظر میں ہندوستانی کاریگروں کی اونچی صلاحیت کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ بیس گز لمبے اور ایک گز چوڑے بہترململ کے ٹکڑے کو ایک انگوٹھی میں سے نکالا جاسکتا تھا اور اسے بنانے میں چھ مہینہ وقت لگتا تھا۔

یورپ کی دستکاری اور صنعت ہندوستانی دستکاری اور صنعت کے ساتھ مقابلہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو پارہا تھا۔اس لئے اپنی صنعت کو فروغ دینے کے لئے انگلینڈ نے 1720ء میں کیلی کو قانون بنایا۔اس کے مطابق انگلینڈ میں ہندوستان کے لئے چھاپے دار سوتی کپڑے اور چھینٹ کے استعمال پر پابندی لگادی گئی اور ان کی درآمد کو انگلینڈ میں روک دیا گیا۔

اسی وقت جہاں تکنیکی فروغ کی ضرورت محسوس کی گئی۔سائنس دانوں کے ذریعہ کئے گئے ایجادات نے صنعت کے علاقہ میں ایک بہت بڑا انقلاب لادیا۔جس کے بارے میں آپ باب۔1 میں پڑھ چکے ہیں۔اس انقلاب کی وجہ سے تمام حلقوں میں کثیر پیداوار ممکن ہوسکی۔اب زیادہ کپڑا بہت کم قیمت پر انگلینڈ میں تیار ہونے لگا۔مانچسٹر اور لنکا شائر کپڑا صنعت کے بڑے مراکز بن گئے۔

اس کے باوجود بھی ہندوستانی کپڑوں کی مانگ یورپ کے بازار میں بہت زیادہ تھی۔انیسویں صدی میں سورت اور احمد آباد میں پٹولا بنائی والے کپڑے تیار کئے جاتے تھے جس کا غیر ممالک میں برآمد ہوتا تھا۔اسی طرح باریک ململ جام دانی بنائی کی جاتی تھی جس پر کرگھے سے سجاوٹی ڈیزائنیں بنائی جاتی تھیں عام طور سے اس میں سوتی اور سونے کے دھاگے کا استعمال کیا جاتا ہے۔ڈھاکہ اور لکھنؤ اس طرح کی بنائی کے مراکز تھے۔ان کپڑوں کو یورپ میں بڑے بڑے گھر کے لوگوں اور شاہی خاندان کے لوگوں کے ذریعہ بہت پسند کیا جاتا تھا۔اس لئے مہنگے ہونے کے باوجود بھی ان کی مانگیں غیر ملکوں میں زیادہ تھیں۔

جامدانی بنائی والے کپڑے مہنگے کیوں ہوتے تھے؟ اس کا استعمال صرف شاہی خاندان کے لوگ ہی کیوں کرتے تھے؟

ہندوستانی پیداوار کی بڑھتی ہوئی مانگوں کو دیکھ کر 1813ء میں انگلینڈ کی سرکار کے ذریعہ آزاد تجارت کی پالیسی اپنائی گئی۔ابھی تک صرف انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہی ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنے کا اختیار تھا۔آزاد تجارتی پالیسی نے تمام انگریز صنعت کاروں کے لئے ہندوستان میں تجارت کرنے کی آزادی دی گئی۔اس پالیسی کا سب سے پہلا حملہ ہندوستان کے کپڑا صنعت پر ہوا۔اب انگلینڈ کے سوتی کپڑے کی صنعت کو فروغ دینے کے لئے ہندوستانی صنعت کاروں کے ساتھ

تصویر۔ 2 : پٹولا بُنائی کا نمونہ

جامدانی بُنائی کا نمونہ

درآمد برآمد ٹیکس میں امتیاز کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ انگریزی حکومت کا یہ مقصد تھا کہ ایسے قوانین بنائے جائیں جن کے سہارے ہندوستان سے خام مال کا آسانی سے برآمد کیا جاسکے اور تیار مال کو ہندوستان میں بیچا جاسکے۔ مشینوں کی وجہ سے زیادہ پیداوار ہونے لگی۔ اب وہ انگلینڈ میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان میں بھی بازار تلاش کرنے لگے تاکہ ان کے تیار شدہ کپڑوں کی کھپت ہوسکے۔ اس لئے انگلینڈ کے تاجر اب انگلینڈ کا کپڑا لے کر ہندوستان میں بیچنے کے لئے آنے لگے۔

> آزاد تجارتی پالیسی: اس پالیسی کے ذریعہ ہندوستانی تجارت پر کمپنی کا ایک طرفہ اختیار ختم ہوگیا۔ اب انگلینڈ کا کوئی بھی شخص ہندوستان کے ساتھ آزادانہ طور پر تجارت کر سکتا تھا۔

اس وقت تک انگلینڈ کی صنعت کافی ترقی کر چکی تھی۔ جس سے ہندوستان میں بھی سستے داموں کی وجہ سے اس کی مشینوں کے ذریعہ بنے ہوئے کپڑے فروخت ہونے لگے۔ آزاد تجارتی پالیسی ایک طرفہ پالیسی تھی۔ ہندوستان سے جو سامان انگلینڈ جاتا تھا اس پر وہاں درآمد سامان ہندوستان میں آتا تھا۔ اس پر کوئی ٹیکس نہیں لگتا تھا۔ اس لئے ہندوستان میں انگلینڈ کے سامان سستے داموں پر دستیاب ہوتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانی بنکروں اور سوت کاتنے والوں کی مالی حالت خراب ہونے لگی۔

تصویر۔ 4 : انگلینڈ کا سوتی کپڑا کارخانہ

اگرچہ انیسویں صدی میں ہندوستان کے ذریعہ انگلینڈ کو برآمد کئے جانے والے سامانوں میں اضافہ ہوا لیکن یہ اضافہ صرف کچے مال کی شکل میں ہوا۔ ہندوستان کو اب مجبور کیا جانے لگا کہ وہ ان چیزوں کی برآمد کرے جن کی انگریزی صنعت کو ضرورت تھی۔ جیسا کہ باب۔3 میں آپ نے پڑھا کہ انگریز کپاس، نیل، افیم، جوٹ وغیرہ جیسے کچے مال کی پیداوار کو حوصلہ دینے لگے۔ وہ کسانوں سے منمانا دام پر مال خریدتے تھے اور انہیں غلے کی جگہ نقدی فصل اپجانے پر مجبور کرتے تھے۔ انگلینڈ میں اشیائے خوردنی کی بھی کمی تھی۔ اس لئے ہندوستان سے غلہ بھی برآمد کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ہندوستان میں قحط کے زمانے میں غلہ برآمد کیا جاتا تھا۔ دوسری طرف خام مال کے لئے زیادہ زمین کا استعمال کئے جانے سے بھی ملک میں اشیائے خوردنی کی کمی ہونے لگی۔ انگریزوں کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ کسی طرح ماتحت ملکوں کا اقتصادی استحصال کرکے ان کی صنعتوں کو ختم کرکے اپنی صنعت کو فروغ دیا جائے۔

انگریزوں کی اقتصادی پالیسی سے ہندوستانی دستکاروں اور صنعتوں کا رفتہ رفتہ زوال ہونے لگا۔ ریلوے کی ترقی نے دیہی علاقوں میں بھی انگلینڈ کے سامانوں کو پہنچانا شروع کر دیا تھا۔ اب دستکاری کی چیزوں کی قیمتیں بڑھ گئی اور مشین سے بنی ہوئی چیزیں بازاروں میں سستی ملنے لگیں۔ برٹش حکومت سے پہلے کھیتی، دستکاری اور گھریلو صنعت کا بہت اچھا توازن تھا۔ لیکن گھریلو صنعت اور دستکاری کے زوال نے اس توازن کو برباد کر دیا۔ دستکاری اور صنعت میں مصروف کاریگر اب شہر چھوڑ کر گاؤں میں لوٹنے لگے اور کھیتی کرنے پر مجبور ہوگئے۔ اس طرح انگلینڈ میں مشینوں کی ایجاد اور انگریزوں کی ہندوستان کے تئیں تجارتی پالیسیوں نے ہندوستان میں عدم صنعت کاری (De-industrialisation) کی حالت پیدا کردی۔ کھیتی پر دباؤ بہت

بڑھ گیا جس سے ہندوستان میں بے روزگاری اور غریبی کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ اسے آپ باب۔3 میں پڑھ چکے ہیں۔

صنعت میں لگے ہوئے ہندوستانی کاریگر صنعت کو چھوڑ کر کھیتی کی طرف کیوں لوٹ آئے؟

عدم صنعت کاری کا معنی ہوتا ہے — جب ملک کے لوگ دستکاری اور صنعت کو چھوڑ کر کھیتی کو اپنی گزر بسر کی بنیاد بنا لیں۔

انگلینڈ میں جہاں ہتھ کرگھا صنعت کی بربادی کی جگہ نئی مشینی صنعتوں نے لے لیا وہاں ہندوستان کے دستکاروں اور بنکروں کی ترقی کی جگہ کسی دوسری صنعتوں نے نہیں لیا۔ اس کی خاص وجہ تھی۔ ہندوستان میں سرمائے کی کمی، تکنیکی تعلیم کی کمی ویسے ہندوستانیوں کی کمی جو صنعتی ترقی کے امکانات رکھتے ہوں اور انگریزوں کی آزاد تجارتی پالیسی۔ اس کے باوجود بھی انیسویں صدی کے نصف آخر میں کچھ ہندوستانی مشینی صنعت کے قیام کی طرف متوجہ ہوئے۔ سب سے پہلے انہوں نے کپڑے کی صنعت کا منصوبہ بنایا کیونکہ اس کے کارخانہ کو کھولنے کے لئے کم سرمائے کی ضرورت تھی اس کے بعد جوٹ اور کوئلہ کھان صنعتیں بھی قائم کی گئیں۔

1854ء میں ممبئی اور پہلا سوتی کپڑے کا کارخانہ کاؤس جی ناناجی دابار نام کے ایک پارسی تاجر نے قائم کیا۔ 1880ء تک پورے ہندوستان میں 56 سوتی کپڑا ملیں قائم ہو چکی تھیں۔ ان کارخانوں کے لئے مشینیں غیر ممالک سے لائی جارہی تھیں۔ ہندوستان کے کپڑا صنعت کی ترقی نے غیر ممالک کو تشویش میں ڈال دیا۔ پھر بھی ہندوستانی صنعت کاروں کے سامنے مسئلہ یہ تھا کہ اگر کسی طرح انگریزی حکومت صنعتوں کو فروغ دینے کا کام کرتی ہے تو پیداواری صلاحیت میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے انہوں نے مطالبہ کیا کہ انگلینڈ سے آرہے کپڑوں پر سرکار خصوصی ٹیکس لگائے تاکہ وہ ہندوستان میں یہاں کے بنے ہوئے کپڑوں سے مہنگا فروخت ہو لیکن انگریزوں نے ایسی پالیسی نہیں بنائی۔ اس سے ہندوستان کی صنعتی ترقی سست رہی۔

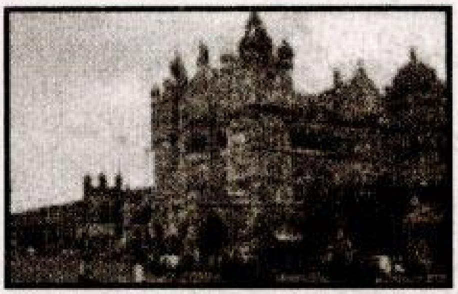

تصویر۔ 5 : ممبئی واقع سوتی کپڑا مل

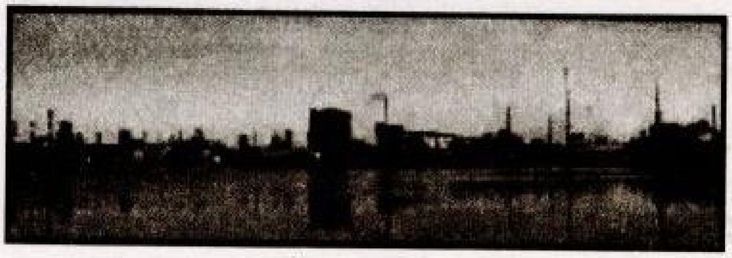

تصویر۔ 6 : ٹاٹا آئرن اینڈ اسٹیل کارخانہ

1855ء میں بنگال کے شسٹر میں پہلی جوٹ مل قائم کی گئی۔اسی طرح 1906ء میں کوئلہ کھان صنعت کی شروعات بھی کی گئی۔

بیسویں صدی میں قائم شدہ اہم صنعت لوہے کی صنعت تھی۔1907ء میں جمشید جی ٹاٹا کے ذریعہ اس عہد کے بہار (جھارکھنڈ) کے ساکچی نام کے مقام پر ٹاٹا آئرن اینڈ اسٹیل کمپنی قائم کی گئی۔(TISCO)۔یہی مقام آج جمشید پور کے نام سے جانا جاتا ہے یہاں اسٹیل کی پیداوار ہونے لگی۔

انگریزی حکومت نے انگلینڈ کے کپڑا صنعت کو بڑھاوا دینے کے لئے کیا کیا؟ ہندوستانی صنعت کاروں کو یہ سہولت کیوں نہیں ملی؟ ہندوستان میں اسٹیل کی پیداوار سے ہندوستانیوں کو کیا فائدہ ہوا؟

انیسویں صدی کے نصف آخر اور بیسویں صدی کی شروعات میں ہندوستان میں کاغذ چینی اور آٹا وغیرہ کی ملیں بھی کھولی گئیں۔یہاں نمک ابرق اور شورے جیسی معدنیاتی صنعتیں بھی قائم کی گئیں۔مشینوں پر مبنی صنعتوں کے علاوہ نیل، چائے اور کافی کی باغبانی صنعتوں کو بھی فروغ حاصل ہوا جس کے بارے میں آپ باب۔3 میں پڑھ چکے ہیں۔ان صنعتوں میں غیر ملکی سرمایہ کی حصہ داری زیادہ تھی۔انگریزوں منافع کمانے کے لئے ہندوستانی صنعتوں کو اپنا سرمایہ لگا کر حوصلہ افزائی کرنا شروع کر دیا تا کہ ان صنعتوں پر ان کا غلبہ بنا رہے۔انگریزوں نے بینکوں پر بھی اپنے اثرات قائم کر رکھے تھے۔جہاں سے انہیں آسانی سے کم شرح سود پر قرض مل جاتا تھا۔جبکہ ہندوستانیوں کو اس کے لئے بہت پریشانی اٹھانی پڑتی تھی اور انہیں اونچی شرح سود دینا پڑتا تھا۔

اس طرح ہندوستان میں صنعتی ترقی کا یہ سلسلہ ست رفتاری سے بیسویں صدی کے پہلے عشرے تک یونہی چلتا رہا لیکن اس کی تیز رفتار ترقی 1914ء کے بعد ہی ہو سکی۔اس وقت سے لے کر 1945ء تک انگلینڈ کو دو عالمی جنگوں اور کئی معاشی

مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ اس عرصے میں انگلینڈ کی پوری توجہ جنگی سامان جیسے اسلحوں کے بنانے میں لگی رہی اور مال ڈھونے والے جہازوں کو جنگی سامان ڈھونے کے کام میں لگا دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگلینڈ سے ہندوستان آنے والے سامانوں میں کمی ہونے لگی۔ جس سے ہندوستان میں تیار شدہ سامانوں کی فروخت بڑھ گئی اور پیداوار پر اس کا اچھا اثر پڑا۔ اس سے ہندوستانی صنعت کاروں کا فائدہ بے انتہا بڑھ گیا۔ اب صرف ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ انگلینڈ اور یورپ کے دیگر ممالک میں ہندوستان میں بنے کپڑوں کی مانگ بڑھ گئی۔ جس کی وجہ سے اس کی قیمت میں پانچ گنا اضافہ ہوگیا۔ ان دو عالمی جنگوں کے درمیان ہندوستانی صنعتوں کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ خصوصاً کپڑے کی صنعت کو کافی ترقی ہوئی۔

اس طرح ہندوستان میں صنعتی ترقی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ نتیجہ کے طور پر سماج میں دو نئے سماجی طبقوں کا نمود ہوا۔ صنعتی سرمایہ دار اور جدید مزدور طبقہ۔

صنعتی سرمایہ دار طبقہ وہ تھے جو ہندوستان کی صنعت میں اپنا سرمایہ لگاتے تھے۔ 1920ء کے بعد غیر ملکی سرمایہ کاری میں کمی ہونے لگی۔ اس دور میں ہو رہے صنعتی ترقی نے ہندوستانیوں کو سرمایہ کاری کے لئے متحرک کیا اور یہاں کے سرمایہ داروں نے غیر ملکی کمپنیوں کے سوتی کپڑا اور معدنیاتی صنعت کے حلقہ میں غیر ملکی کمپنیوں کو خرید کر ہندوستان کی صنعتی ترقی کیا۔

1920ء کے عشرے سے ہی جی ڈی برلا ہندوستانی صنعت کاروں کی ایک تنظیم بنانا چاہتے تھے۔ اس مقصد سے 1927ء میں فیڈریشن آف انڈین چیمبرس آف کامرس اینڈ انڈسٹری (FICCI) قائم کی گئی۔ یہ پورے ہندوستان میں تجارتی مفاد کے لئے کام کرنے والا ایک تجارتی ادارہ بن گیا۔

فن اور صنعت اور مزدوروں کی زندگی : 1850ء کے بعد سے ہندوستان میں مشینوں والی صنعت کھولی جانے لگی۔ سب سے بڑی صنعت کپڑا بنانے اور سوت کاتنے کی صنعت تھی جس میں سب سے زیادہ مزدور کام کرتے تھے۔ دوسری تھی جوٹ کی صنعت اور تیسری کوئلہ کی صنعت۔

مشینی صنعت شروع ہونے سے قبل ہندوستان میں کس طرح کی صنعت تھی؟ مشینی صنعت کی ضرورت ہندوستانیوں کو کیوں پڑی؟